احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

نومبر 2011ء

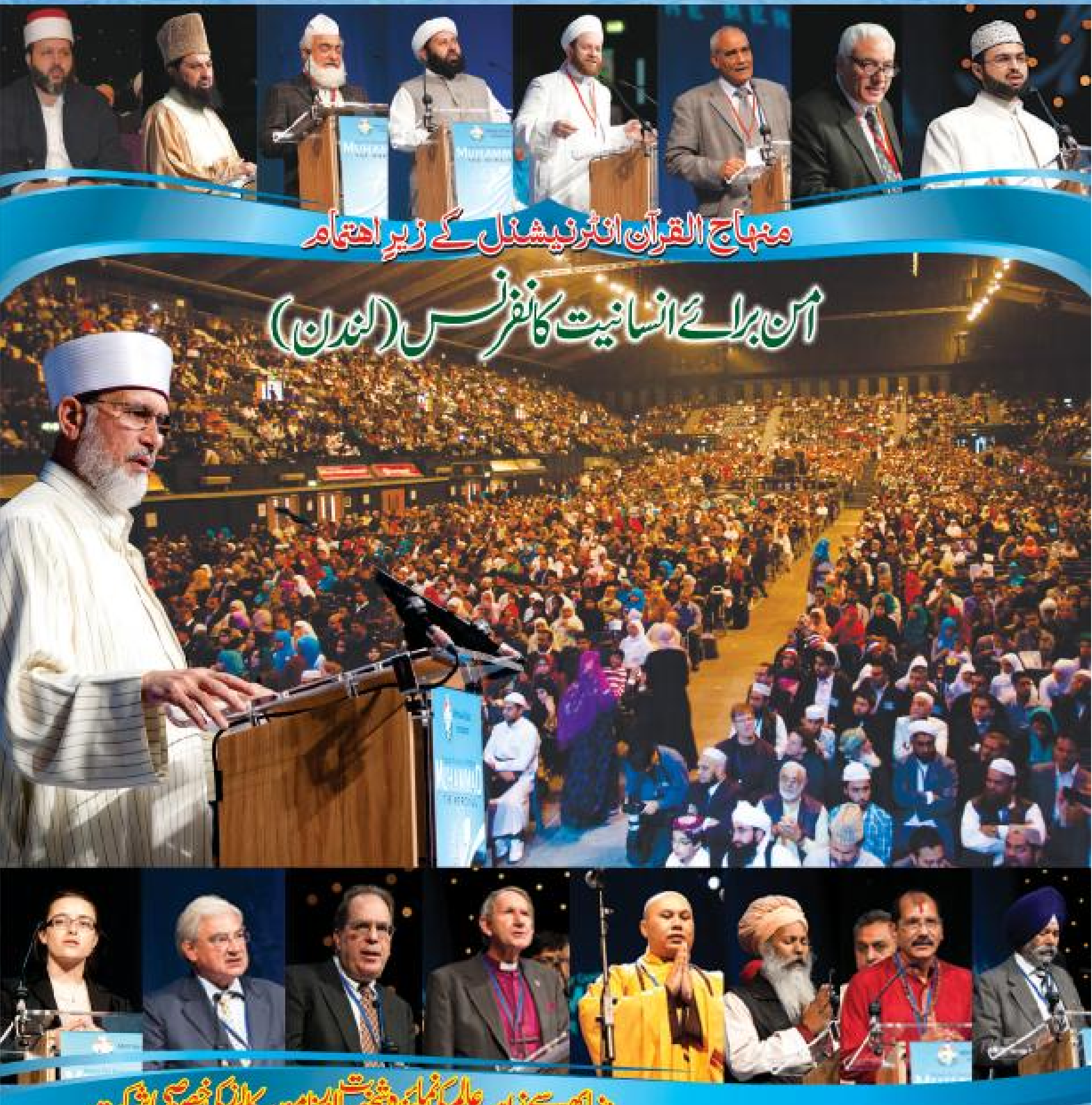

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیر اہتمام

امن برائے انسانیت کانفرنس (لندن)

دنیا بھر سے مذاہب عالم کی نمائندہ شخصیات اور نامور سکالرز کی خصوصی شرکت

دعا

میرے کھلے مکان کو دیوار و در بھی دے
ہر التجائے حرفِ ادب میں اثر بھی دے

اپنی ندامتوں کا رکھے جو کڑا حساب
مجھ سے گنہگار کو وہ چشمِ تر بھی دے

اذنِ سفر کے ساتھ دے زادِ سفر مجھے
طیبہ کی سمت جاتی ہوئی رہگذر بھی دے

جن پر نوازشات کی بارش ہوئی بہت
ان کے نفاذِ عدل پیمبر کا ڈر بھی دے

جن کی ہتھیلیوں پہ رکھے تو نے آفتاب
ان کو دیے جلانے کا یا رب ہنر بھی دے

دیکھوں گا آسمان کو حیرت سے کب تلک
ذوقِ سفر دیا ہے تو اب بال و پَر بھی دے

جھک کر کرے سجود تری بارگاہ میں
ہر اک برہنہ شاخ کو بارِ ثمر بھی دے

جلتے رہے ہیں دھوپ میں ننگے بدن بہت
سایہء لباس ان کا بنے، وہ شجر بھی دے

بازارِ مصر میں مجھے لائے میرے رفیق
کشکولِ آرزو میں زرِ معتبر بھی دے

زم زم سے میرے بند کٹورے بھرے رہیں
کیفِ ثناء میں جھومتے شام و سحر بھی دے

ان کے نقوشِ پا سے جلاؤں نئے چراغ
انفاسِ مصطفٰی سے مصوّر نگر بھی دے

فکری مغالطّوں میں ہیں الجھے ہوئے ضمیر
اہلِ قلم کو الفتِ خیر البشر بھی دے

خیمے اٹھا اٹھا کے پھرے کب تلک ریاضؔ
آقاؐ کے شہرِ نور میں چھوٹا سا گھر بھی دے

(ریاض حسین چودھری)

نعت بحضور سرورِ کونین ﷺ

ہیں وہی ﷺ روحِ تمنا اور جانِ آرزو
فرش سے تا عرش ہے سب کو اُنہی ﷺ کی جستجو

ہے فروغِ اسمِ احمد ﷺ سے بہر سُو روشنی
ضوفشاں اس سے ہوئے دونوں جہاں کے کاخ وکُو

آپ ﷺ کی نسبت سے ہی قائم ہے ہستی کا بھرم
ذکرِ محبوبِ خدا ﷺ سے ہے ہماری آبرو

رچ گئی ہے دل میں میرے الفتِ خیرالبشر ﷺ
ہر رگ و پے میں سرایت کرگئی وہ موبمو

آپ ﷺ کے فیضاں سے حاصل آدمیت کو شرف
محترم کعبے سے ٹھہرا ہے مسلماں کا لہو

چاک دامانی کا میری چارہ کچھ فرمایئے
سوزنِ رحمت سے اس کو آپ کردیجئے رفو!

داورِ محشر سے میری التجا ہے روزِ حشر
رکھے پیشِ شافعِ محشر ﷺ وہ میری آبرو!

ہیں شہِ لولاک ﷺ نیّر باعثِ تخلیقِ کُل
اور صدقہ آپ ﷺ ہی کا ہے جہانِ رنگ و بُو

(ضیاء نیّر)

اداریہ:

ویمبلے امن کانفرنس۔۔۔ عالمی تحریک احیائے اسلام کا شاندار قدم

خالقِ کائنات کا پسندیدہ ترین دستور حیات لے کر مبعوث ہونے والے نبیٔ رحمت ﷺ نے ظلم و جبر میں پسی ہوئی انسانیت پر جتنے احسانات فرمائے وہ معلوم تاریخ میں سب سے بڑا انسانی کارنامہ ہے۔ امن، عدل اور محبت ایسی صفات ہیں جن کی بدولت انسانی معاشرہ ملکوتی صفات سے مزین ہو کر پھلتا پھولتا ہے۔ زندگی بامقصد اور بندگی روحانی فیوضات کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔ جس معاشرے میں امن ہو نہ عدل و انصاف اور نہ محبت و مروت، اسے انسانی بستی کا نام نہیں دیا جاسکتا بلکہ وہ حیوانوں اور درندوں کا جنگل ہوتا ہے جہاں ہر کوئی اپنی اپنی استطاعت اور طاقت کے بل بوتے پر ظلم اور خون ریزی کو اپنا وطیرہ بنالیتا ہے۔ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے مجموعی طور پر انسانیت ایسا ہی پُرخطر، منظر نامہ پیش کر رہی تھی۔ ایران اور روم کی دو عالمی طاقتیں باہم مدمقابل تھیں اور بقیہ دنیا کے مظلوم و مجبور انسانوں کا خون بے دریغ بہایا جاتا تھا۔ پھر مکہ سے سورج چمکا اور تاریکیوں نے رختِ سفر باندھنا شروع کیا۔ رحمت عالم ﷺ نے ریاست مدینہ کی بنیاد رکھی اور اپنے حسن عمل سے ایک ایسا گلستان آباد کیا جو امن، محبت، عدل اور علم دوستی کے حیات بخش جذبوں سے سینچا گیا تھا۔ صداقت، عدالت، اِنسانیت نوازی اور علم پروری سے پروان چڑھنے والے اِس انسان پرور ماحول نے قوموں کی تاریخ میں سب سے بڑا اِنقلاب بپا کر دیا۔ صرف دو عشروں میں اس ریاست کی سرحدیں پھیل کر دنیا کے دیگر خطوں تک پہنچ گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے قیصر و کسریٰ کی ظالم و جابر عالمی بادشاہتیں خدا مست عرب بت شکنوں کے قدموں میں ڈھیر ہوگئیں۔

مگر شومئی قسمت کہیں یا مکافات عمل کہ وہ امت جو دنیا پر امن قائم کرنے، انسانی معاشروں کو امن، محبت اور عدل بانٹنے کے لئے آئی تھی کہیں خود ظلم کا شکار اور کہیں آلہ کار بن چکی ہے۔ اس کی روشن پیشانی پر اب انسانیت نوازی کی جگہ دہشت گردی کا داغ چسپاں ہوگیا ہے۔ اسلامی شعائر جو کبھی رحمت، امن اور علم کی علامت ہوتے تھے اب وہ غنڈہ گردی اور خون خرابے کا ایک خطرناک سگنل بن چکے ہیں۔ مسلم اُمہ پر ہر سمت سے انگلیاں اٹھ رہی ہیں۔ یقیناً یہ ایک مشکل دور اور نازک مرحلہ تاریخ ہے۔ پوری دنیا میں مختلف ادارے شخصیات اور بعض حکومتیں عمداً قرآن حکیم، پیغمبر اسلام ﷺ اور تعلیمات اسلامی کے خلاف آئے روز پروپیگنڈا کرتے آئے ہیں۔ بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسلام کا چہرہ داغدار کیا جائے تاکہ اسلام کی طرف رغبت کم اور نفرت زیادہ ہوسکے۔ اس عالمی مخاصمانہ ماحول میں دین اور پیغمبر اسلام ﷺ سے وفاداری کا تقاضا ہے کہ اسلام کو حتی المقدور پُر امن بقائے باہمی کی سب سے بڑی آواز کے طور پر دنیا میں متعارف کروایا جائے۔ دوسرے معنوں میں اس وقت سب سے بڑا جہاد دشمنانِ اسلام کے خلاف عسکری جدوجہد نہیں بلکہ اسلام کے خلاف جاری منفی پروپیگنڈے کا علمی، عملی اور حقیقی توڑ ہے۔ ایسے میں کچھ شخصیات اسلام کے معجزاتی تسلسل کا حصہ بنتے ہوئے امن اور رواداری کی شمع جلائے دن رات علم، حکمت تدبر اور تحمل کی تعلیمات پھیلانے میں مصروف نظر آتی ہیں۔ انسانیت کے سامنے دین رحمت و امن کو حقیقی تعلیمات کے ساتھ پیش کرنے میں جو لوگ عالمی سطح پر پیش پیش ہیں ان میں بجا طور پر امت مسلمہ کی بالعموم اور پاکستان کی بالخصوص نمائندگی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے حصے میں آئی ہے۔ دور حاضر میں یہ واحد بڑی مسلمان شخصیت ہیں جو مشرق و مغرب میں مقیم مایوس مسلمانوں کے چہروں سے احساس ندامت و شرمندگی ختم کرکے انہیں سکون و اطمینان کی دولت لوٹا رہے ہیں۔

گذشتہ 24 ستمبر لندن ویمبلے کانفرنس سینٹر میں انہوں نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جو اس دور کی حکمتوں کے عین مطابق اسلام کے پیغام امن و محبت کو پوری دنیا میں وسیع پیمانے پر پھیلانے کا باعث بنا۔ انہوں نے پوری دنیا کے تمام بڑے مذاہب کے نمائندے ایک چھت کے نیچے جمع کر کے ان سے پُرامن بقائے باہمی کے لئے نئے سرے سے کاوشیں بروئے کار لانے کا عہد لیا جو قرار داد لندن London Declaration کے نام سے 24 نکات پر مشتمل ہے اور اس پر پوری دنیا کے پرامن مذہبی کارندے دستخطوں کی مہم شروع کر چکے ہیں۔ یہ کاروائی ان فرقہ وارانہ عالمی سازشوں کا توڑ ہے جو ''تہذیبی تصادم'' کے فلسفے کو ہوا دے کر دنیا کو جنگوں کی آماجگاہ بنانا چاہتی ہیں۔ کانفرنس کا عنوان ''محمد ﷺ رحمت عالم'' ''Peace For Humanity'' تھا اس لئے ضروری تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت اور انسان دوستی پر مبنی دعوت کا تفصیل سے تعارف کرایا جاتا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ہزارہا حاضرین کی موجودگی میں دنیا بھر سے آئے ہوئے سینکڑوں مختلف مذہبی پیشواؤں کے سامنے سیرت طیبہ کے نقوش انگریزی زبان میں اتنے خوبصورت پیرائے میں اجاگر کئے کہ اہل علم و بصیرت داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

پاکستان کے لاکھوں لوگوں سمیت پوری دنیا میں کثیر تعداد نے یہ خطاب براہ راست نیٹ اور TV کے ذریعے سنا۔ اس خطاب نے ان مسلمانوں کے سر فخر سے بلند کر دیئے ہیں جو مخالفین کے طعنوں اور الزام تراشیوں سے جھک گئے تھے۔ گذشتہ عشروں میں بعض فتنہ پرور اداروں اور شخصیات نے دراصل قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کو اتنے غلط انداز میں پیش کیا ہے کہ ہر شخص بدگمانی سے سمجھتا ہے مسلمان غیر مہذب خون خوار جانوروں کا گروہ ہے۔ ان سازشی ذہنوں نے جہاد جیسے اسلامی فریضے کو بھی انسانیت کے قتل کا دستور بنا کر پیش کیا ہے۔ اس لئے شیخ الاسلام نے اپنے جامع خطاب میں بعثت مبارکہ اور ہجرت حبشہ سے لے کر فتح مکہ تک سیرت طیبہ کا پورا نقشہ اجاگر کیا اور مدینہ منورہ کے دس سالہ دور نبوی میں ہونے والی جنگوں کو حقیقی امن کے قیام کے لئے ناگزیر دفاعی کاوشیں قرار دیا جن سے امن دشمن فتنہ پرور کفار کی سازشوں کا قلع قمع ہوا۔ یوں انہوں نے مستشرقین کی طرف سے اٹھائے جانے والے دیرینہ سوالات کا جواب دیتے ہوئے اسلام کے تصور جہاد کی بھی اطمینان بخش وضاحت کر دی اور حضور ﷺ کی سیرت سے متعلق غلط فہمیوں کا ممکنہ حد تک ازالہ بھی کر دیا۔ اسلام کی عظمت و شوکت پر مبنی اس عالمی امن کانفرنس کی کاروائی پاکستان کے ایک TV چینل ARY کے علاوہ کسی نے بھی براہ راست نشر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ شاید اِس لیے کہ اِس عالمی تقریب میں سستی جذباتیت کو بھڑکانے اور لوگوں کو کسی منفی ایجنڈے پر جمع کرنے پر مبنی ''خبریت'' نہیں تھی، حالانکہ مغرب کی طرف سے جاری اسلام مخالف میڈیا وار میں یہ ایک نہایت ہی موثر کاوش تھی جسے تمام مسلم ذرائع ابلاغ کو بلا تفریق مسلک و مذہب شائع کرنا چاہئے تھا۔ 11 ہزار افراد سے زائد پر مشتمل ایک بڑے مسلمان اجتماع کے سامنے انہیں بھرپور نمائندگی دینے سے اسلامی تعلیمات کی وسعت ظرفی، تحمل اور پرامن بقائے باہمی کے جذبے کی عالمی سطح پر تصدیق بھی ہوگئی اور وہ پروپیگنڈہ اپنی موت آپ مرگیا جو مذہبی منافرت پھیلا کر دنیا میں خانہ جنگی کا ماحول پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس شاندار عالمی امن کانفرنس کے کامیاب انعقاد پر منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کے جملہ احباب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر علی اکبر قادری

فرسودہ سیاسی و انتخابی نظام

انقلاب کے راستے کی بڑی رکاوٹ (آخری حصہ)

بیداریٔ شعور ورکرز کنونشن سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب☆

مرتّب: محمد یوسف منہاجین   معاون: اظہر الطاف عباسی

زیر نظر مضمون شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا بیداریٔ شعور کنونشن (cd#1462 مورخہ 09-04-2011) کے موقع پر کارکنان تحریک سے کیا گیا خطاب ہے۔ اس خطاب کے حصہ اول و دوم (شائع شدہ مجلّہ ماہ ستمبر + اکتوبر 2011ء) میں آپ نے بیداریٔ شعور کو قرآن پاک کی متعدد آیات کی روشنی میں بیان فرماتے ہوئے انقلاب کا حقیقی راستہ، صبر و استقامت، تحریک کی حکمت عملی و غلط فہمیوں کا ازالہ، بیداریٔ شعور تحریک کی چار جہات، اخلاص وللّٰہیت، آقا ﷺ سے وفا کرنے کا مفہوم (سیرت صحابہ کی روشنی میں) اور پاکستان کے موروثی جمہوری نظام کو تفصیلاً بیان فرمایا۔ اسی خطاب کا آخری حصہ نذرِ قارئین ہے۔

مغربی طریق پر ہمارے ملک میں جو الیکشنز ہوتے ہیں یہ جمہوریت اور انتخابات ان ہی ملکوں کے لئے مناسب ہے جن کے پیچھے دو سو سال کی تعلیم اور سماجی ترقی کا تسلسل ہے، معاشرتی بیداری کا ایک سفر ہے۔ ان تمام مغربی ممالک کے تمام شہری حتی کہ school going بچے بھی جماعتوں کے characters، ان کی پالیسیوں، ان کے منشوروں اور ان کی تمام ترجیحات سے واقف ہیں کہ کس پارٹی کی کیا پالیسی ہے؟ یہ پارٹی گورنمنٹ میں آئی تو مختلف حکومتی معاملات پر اس کی پالیسیاں کیا ہوں گی؟ ایک ایک ووٹر کو یہ سب کچھ پتہ ہوتا ہے کہ میرے اس ووٹ سے ملک کے معاملات میں کیا تبدیلیاں آئیں گی۔

اس تمام صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ مغربی ممالک کی حالتِ تعلیم، شعور، آزادیٔ فکر اور آزادیٔ رائے کا ملک پاکستان کے ساتھ موازنہ کریں کہ کیا یہاں کسی کو شعور ہے کہ اس کے ووٹ سے کیا تبدیلی آئے گی؟

یہاں تو ووٹ دینے کا مقصد صرف اور صرف گلیاں بنوانا، نالیاں بنوانا اور بجلی کے کھمبے لگوانا ہے۔۔۔ برادری ازم، غنڈہ گردی اور پیسے کو ووٹ ملتے ہیں۔۔۔ آٹے کے تھیلے اور دیگیں تقسیم کرکے ووٹ لئے جاتے ہیں۔ جو اس بے شعور قوم کو نقدی دیتا ہے اسی کو ووٹ ملتے ہیں۔ ملک پاکستان کے انتخابات میں ساز باز ہوتی ہے، establishment اپنا کردار ادا کرتی ہے۔۔۔ پولیس کا عمل دخل ہے۔۔۔ DC اور ساری مشینری سرگرم ہوتی ہے۔۔۔ مخصوص امیدواروں کے لئے ماحول بن جاتا ہے۔۔۔ میڈیا کا کردار شامل ہوجاتا ہے، انہی مخصوص امیدواروں کا نام لے کر اینکرز صبح و شام تذکرہ شروع کردیتے ہیں۔۔۔ ہر جگہ پیسے بٹ جاتے ہیں اور کروڑوں اربوں روپے کی Deal ہوجاتی ہیں۔۔۔ دو تین ماہ مسلسل ان ہی کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے۔ باقی وہ احباب جو شرفاء ہیں جن کے پاس حرام کی دولت نہیں، کروڑوں، اربوں روپے لگانے کی استعداد نہیں، جن کے

پیچھے اندرونی و بیرونی ایجنسیوں کا کردار نہیں، ان تمام احباب کا میڈیا اور اخبارات میں صفایا ہوجاتا ہے۔ وہی کرپٹ لوگ زندہ رہتے ہیں جن کے پاس پیسہ، غنڈہ گردی، برادری، ایجنسیاں اور بیرونی دباؤ ہے جبکہ اسکے برعکس جس کے پاس علم ہے اس کا صفایا ہوجاتا ہے۔۔۔ فکر ہے تو اس کا صفایا۔۔۔ جس کے پاس کردار ہے تو اس کا صفایا۔۔۔ جسکے پاس قوم کو کچھ دینے کی صلاحیت ہے اس کا صفایا۔۔۔ جو ملک وقوم کی تقدیر بدل سکتے ہیں ان کا صفایا۔۔۔ اخلاق، شرافت، علم، فکر، امانت، دیانت یہ سب اس نظام کے اندر جرائم ہیں اور اسی کرپٹ اور فرسودہ نظام کو بچانے کے لئے ساری حکومتیں اور جماعتیں متفق ہیں۔

آج نام نہاد جمہوری نظام کے متوالے عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے اس نظام کے بچانے کا نعرہ لگارہے ہیں کہ اس نظام کو بچاؤ، اس نظام کو بچاؤ، میڈیا پر بھی 24 گھنٹے ایک شور ہے کہ اس نظام کو بچنا چاہئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کس نظام کی بات کرتے ہو؟ وہ نظام جس نے تیرہ کروڑ عوام کو دوزخ میں ڈال رکھا ہے۔ یہ صرف اور صرف لٹیروں، بد دیانتوں، کرپٹ لوگوں، حرام خوروں، عیاشوں، جاہلوں، سازشیوں اور چند مفاد پرستوں کی بقاء و سالمیت کا نظام ہے۔ یہ سترہ کروڑ عوام کی خوشحالی اور ترقی کا نظام ہرگز نہیں ہے۔ اس نظام نے عوام کو بھیڑ بکریاں بنا رکھا ہے۔

اس نظام میں ہر ایک کی باریاں لگی ہوئی ہیں، یہ گئے وہ آجائیں گے۔۔۔ وہ جائیں گے تو یہ آئیں گے۔۔۔ اور اب تو باریاں بھی نہیں بلکہ ساروں کو اکٹھا حصہ ملتا ہے۔ کوئی مرکز میں، کوئی پنجاب میں، کوئی خیبر پختونخواہ میں، کوئی بلوچستان میں، کوئی سندھ میں ہے، سارے حکومت میں ہی بیٹھے ہوئے ہیں، اپوزیشن ہے ہی نہیں۔

اس ملک میں کیا کسی نے ووٹ دینا ہے، کسی جماعت کا منشور (Menifesto) ہی نہیں بچا اور نہ اس ملک میں کوئی کسی جماعت کا منشور پوچھتا ہے۔ منشوروں کے دور چلے گئے۔۔۔ منشور، نظریات، جماعتوں کی فکر اور پالیسیاں سب ختم ہوگئے۔ اب تو منشور صرف یہ ہے کہ آئندہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کو بے نقاب کرنے اور ذوالفقار علی بھٹو کے case کو Reopen کرنے پر الیکشن لڑا جائے گا کہ ہم نے بھٹو کے کیس کو Reopen کردیا، محترمہ بے نظیر بھٹو کے قاتل بے نقاب کردیئے۔

5 سال یہ سارے اکٹھے چلیں گے، مل کر کھائیں گے، آخر پر ایک دوسرے پر کرپشن کا الزام لگائیں گے کہ فیڈرل گورنمنٹ کرپٹ تھی اور دوسرے کہیں گے کہ صوبائی کرپٹ تھے، اس طرح کرپشن کے خلاف مہم شروع ہوجائے گی۔ پانچ سال مل کے اکٹھے بکرے کی سجی، مرغ، حلوے، گوشت وغیرہ کھائے جارہے ہیں۔ آخر پر اس بیمار، مردہ اور بے شعور قوم کو دھوکہ دینے اور بے وقوف بنانے کے لئے میدان میں مختلف نعرے لے کر نکل آئیں گے۔

جنہوں نے چہرہ پر داڑھیاں سجا رکھی ہیں اور سر پر پگڑیاں پہن رکھی ہیں، اسی اسلام دشمن نظام کا حصہ بنتے ہوئے وہ اسلام کا نام لے کر نکل آئیں گے، قرآن ان کے ہاتھ میں ہوگا، اسلامی نظام اور سنت کی بولی بولیں گے۔ جس طرح ہر جانور کی الگ بولی ہوتی ہے اسی طرح ہمارے ہاں بھی موسمِ انتخابات میں ہر کوئی اپنی بولی بولتا ہے۔ کوئی اسلام اور شریعت کی بولی لے کے میدان میں اتر آئے گا۔۔۔ کوئی عوام کی بولی لے کر اتر آئے گا۔۔۔ کوئی جمہوریت کی بولی لے کر نکل آئے گا۔۔۔ کوئی

ہمارے ہاں انتخابات میں اربوں روپے، برادری ازم، غنڈہ گردی، پولیس، حکومتی مشنری، میڈیا اور اندرونی و بیرونی ایجنسیاں براہ راست ملوث ہوتی ہیں۔

غریب عوام کے ترانے گائے گا۔ اسی تماشا میں قوم کو ساٹھ سال سے مسلسل مبتلا کر رکھا ہے۔

یہ سارا نظام، انقلاب کا دشمن ہے اور جب تک اس نظام کو آپ ٹکرا کر پاش پاش نہیں کر دیتے، اس وقت تک انقلاب کا خواب بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ کارکن اس طویل سفر کی جدوجہد کے لئے تیار ہوجائیں مگر یہ جدوجہد پرامن ہو، پرامن ہو، پرامن ہو۔ اس جمہوریت اور الیکشنز کے نظام کی مثال اس طرح ہے جیسے ٹانگے کے اندر کار کا انجن سجا رکھا ہو۔ ٹانگے میں سے گھوڑے کو نکال دیا ہے اور ٹانگے کے دونوں پاٹوں کے اندر کار کا انجن رکھ دیا ہے اور پھر کار کی رفتار سے سفر بھی کرنا چاہتے ہیں۔

مغربی جمہوریت کی طرز پر نظام اور الیکشنز کے بنیادی تقاضے یہ ہیں کہ پہلے لوگوں کو تعلیم و شعور سے آشنا کیا جائے۔۔۔ ان کی آزادئ رائے کا احترام ہو۔۔۔ ان کے ایک ایک ووٹ کا ملکی پالیسیاں مرتب کرنے میں اثر ہو۔۔۔ پارٹیوں کے اندر بھی جمہوری کلچر ہو۔ جیسے کینیڈا کے اندر گورنمنٹ اکثریت نہ ہونے کی بناء پر ایک بل پاس نہیں کرواسکی اور اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے دوسری بار ختم ہوئی، نیا الیکشن ہوا۔ انہیں اپنے نظام کا اتنا حیا ہے جبکہ پاکستان کے سیاست کے نظام میں حیا نام کی کوئی شے ہی نہیں۔ لوگ پارٹیوں میں داخل ہوجاتے ہیں، پتہ نہیں ایجنڈا کیا ہے۔۔۔؟ پھر ناراض ہوکر چوتھے دن نکل جاتے ہیں۔۔۔ پھر ان کی رسائی منائی ہوجاتی ہے تو دوبارہ داخل ہوجاتے ہیں۔۔۔ پھر کہتے ہیں کہ مرکز سے نکل گئے ہیں صوبوں میں برقرار رہنا ہے۔ یہ سب کچھ ایک تماشا ہے، یہ ایک سرکس ہے، ڈرامہ ہے۔ دوسری طرف اس قوم کے شعور کا یہ حال ہے کہ کوئی پوچھتا ہی نہیں کہ یہ کیا ہورہا ہے۔

آج قوم کے اس شعور کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ انہیں احساس دلائیں کہ اگر اس طرح سوئے رہے تو تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا۔ مہنگائی اور بیروزگاری انتہاء پر ہے۔۔۔ پانی، بجلی ملتے نہیں ہیں۔۔۔ آٹا نہیں ملتا۔۔۔ کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔۔۔ لوگوں کے وسائل کم تر رہ گئے ہیں۔۔۔ بجلی استعمال کئے بغیر بل اتنے کہ تنخواہیں ساری بل پر خرچ ہوجاتی ہیں۔ اب تو صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ کراچی میں لوگ حرام کھانے کے لئے مولوی صاحبان سے فتویٰ پوچھ رہے ہیں کہ حرام کھانا حلال ہوجائے، رشوت حلال ہوجائے، چوری کرنا حلال ہوجائے، ڈاکہ زنی حلال ہوجائے۔ 2ہزار لوگوں نے دستخط کرکے اس حوالہ سے فتویٰ پوچھا ہے۔ وہ احباب جو اس حوالہ سے فتویٰ پوچھتے ہیں کہ حرام، حلال ہوجائے وہ سب لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مل کر ایک ہی بار اس حرام نظام کا خاتمہ کیوں نہیں کردیتے جو ان پر مسلط ہے۔ آج ضرورت اس شعور کو بیدار کرنے کی ہے، اس کے بغیر کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہوگی۔

عرب ممالک میں تبدیلی کی موجودہ لہر

بالفرض کبھی آپ کے خیال میں یہ آتا ہے کہ تیونس، مصر، لیبیا، یمن میں تبدیلی آرہی ہے تو اس ضمن میں یاد رکھ لیں کہ جو کچھ وہاں ہوا ہے یہ کوئی انقلاب نہیں ہے۔ ابھی تو ان کا ایک سفر شروع ہے، وہاں حالات کیا ہوتے ہیں۔۔۔؟ حالات کتنے بدلتے ہیں یا نہیں بدلتے۔۔۔؟ حقیقی اقتدار کس کے ہاتھ میں منتقل ہوتا ہے۔۔۔؟ نظام پر کیا اثر پڑتا ہے۔۔۔؟ عوام کو کیا ملتا ہے۔۔۔؟ ان تمام باتوں کا مستقبل میں فیصلہ ہوگا کہ یہ انقلاب تھا یا صرف ایک تبدیلی تھی جو بعد میں اوروں کے مفادات کے ہاتھ چڑھ گئی۔ ابھی دیکھئے آگے آگے ہوتا ہے کیا۔

ان ممالک میں حالیہ تبدیلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہاں بات کا ایسا ڈھونگ نہیں تھا جیسا ہمارے ہاں ہے۔ وہاں پارٹیاں نہیں تھیں۔ اُن ممالک میں ایک ڈکٹیٹر ہے جو تیس، چالیس سال سے چلا آرہا ہے۔ بالآخر قوم خود

تنگ ہوئی یا انہیں تنگ کرایا گیا۔۔۔ قوم خود اٹھی یا انہیں باہر سے اٹھایا اور اکسایا گیا۔۔۔ یہ ایک الگ معاملہ ہے جس کا فیصلہ تاریخ کرے گی اور وقت بتائے گا مگر سارے اٹھے اور قوم ایک ڈکٹیٹر کے خلاف مجتمع اور متحد ہوگئی۔ وہاں سیاسی پارٹیاں اور سو لیڈر نہ تھے کہ وہ اپنے حصے کی بھیڑ بکریوں کو لے کر الگ الگ سڑکوں پر جلوس نکال لیتے اور پورا اجتماع اکٹھا نہ ہونے دیتے۔ ہر کوئی اپنے اپنے گروہ کو الگ الگ لے کر چلا جائے، یہ نہیں تھا۔ جہاں پر تبدیلی آتی ہے وہاں زمین پر کوئی لیڈر نہیں ہوتا۔ ہماری جیسی صورت حال نہ تھی وہاں کوئی لیڈر نہیں تھا جو ان ممالک کی عوام کو لیڈ کر رہا ہو۔ وہاں سب لوگ یکجا تھے، کوئی گروہ بندی نہ تھی، ایک ہی نعرہ تھا جس سے بعض جگہوں پر تبدیلی آگئی۔

تبدیلی کے راستے میں حائل رکاوٹ

پاکستان میں انقلاب کے راستے اس سیاسی نظام نے روک رکھے ہیں۔ ہمارے ہاں تبدیلی نہ آنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہماری 100 جماعتیں اور 100 لیڈر ہیں، سارے لیڈر اپنا اپنا الگ احتجاج کرتے ہیں، ہر ایک کی قوت کا مختلف اوقات میں انفرادی طور پر اظہار ہوتا ہے۔

بعد ازاں میڈیا پر مخصوص بندوں کی تشہیر سے ایک نئی جنگ شروع ہوجاتی ہے، اس ساری صورت حال سے فائدہ دشمن کو پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ ساری قوم کو لیڈرز نے تقسیم کر دیا ہے اور ساری قوت یکجا نہ ہونے دی۔ ہر کوئی یہاں لینن، سٹالن، ماؤزے تنگ اور خمینی ہے۔ یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے۔ مذہبی جماعتوں میں سے ہر چوتھے محلے کی مسجد کا امام بھی لیڈر ہے اور کسی نہ کسی جماعت کا مقامی سربراہ ہے۔ اپنے اپنے حصے کے لوگ بانٹ کے سارے الگ ہو جاتے ہیں، نتیجتاً یہاں کسی ایک کو بھی اکثریت حاصل نہیں ہوتی اور مفاد پرست طبقہ کے مفادات کو تحفظ مل جاتا ہے۔ کوئی اس نظام کے خلاف اس لئے نہیں اٹھتا کہ وہ سارے اس نظام کا حصہ ہوتے ہیں، الیکشن میں شریک ہو جاتے ہیں، سب کے امیدوار کھڑے ہوتے ہیں، جب سارے لوگ ووٹ ڈالنے کے عمل میں مصروف ہوجاتے ہیں تو ان حالات میں انقلاب کسی کی خواہش ہی نہیں رہتا۔ پس انقلاب کا راستہ یہ انتخابات روک دیتے ہیں۔

پاکستانی قوم اگر تبدیلی چاہتے ہیں، اپنا مقدر بدلنا چاہتے ہیں تو یاد رکھ لیں کہ یہ جماعتیں اور یہ لیڈر اس فرسودہ نظام کا حصہ ہیں، یہ نظام ان سے مطابقت رکھتا ہے، نظام ان کو اور یہ نظام کو بچائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ نظام کو اگر گالی بھی دیتے ہیں تو وہ صرف عوام کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے گالی دیتے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ نظام کو اگر گالی دینی ہے تو اس نظام کو ٹھوکر مارو اور عوام کو اس طرف راغب کرو کہ اگلے الیکشن میں کوئی ووٹ نہ ڈالے تب یہ نظام کو گالی دینا کہلائے مگر ان میں سے کوئی ایسا نہیں کرتا۔ 5 سال نظام کو گالیاں دیتے ہیں اور جب اگلے الیکشن آتے ہیں تو اس نظام کے تحت پھر الیکشن لڑتے ہیں۔ گویا نظام کو گالی دینے کا مطلب ہی ووٹ لینا ہے۔ پاکستانی قوم اگر واقعتاً اس نظام کے خلاف ہے، تو پھر اگلے الیکشن میں اس نظام کو اتنا مسترد کردے کہ اس ڈھونگ کے الیکشن میں کوئی شخص ووٹ نہ ڈالے۔ اگر ووٹ دیئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی نظام میں آپ پھر حصہ بن رہے ہیں تو بظاہر اس نظام کو برا بھلا کہنے سے کیا حاصل ہوگا۔ یہ عادت ساٹھ سال سے چل رہی ہے اور اگر سوچ و فکر کا زاویہ یہی رہا تو اگلے سات سو سال بھی یونہی چلتی رہے گی۔

لوگ تبدیلی کے حوالے سے ایرانی انقلاب کی مثال دیتے ہیں، لیکن یہ بات بھی خیال میں رہے کہ وہاں جب تبدیلی آئی تو خمینی صاحب کے ایران پہنچنے سے پہلے شہنشاہ ایران اپنی فیملی سمیت ملک چھوڑ چکا تھا۔ وہاں جب انقلاب آیا تو خمینی صاحب وہاں موجود نہ تھے۔ وہ اٹھارہ، بیس سال سے عراق اور فرانس میں تھے۔

شہنشاہیت کے خلاف قوم باہر نکلی۔ فروری ۱۹۷۹ء کو خمینی صاحب کا جہاز تہران میں اترا جبکہ رضا شاہ پہلوی شہنشاہ ایران فیملی کو لے کر ۱۶ جنوری ۱۹۷۹ء یعنی ان کی آمد سے 15 دن پہلے ملک چھوڑ کر جا چکا تھا۔ خمینی صاحب نے آ کر شہنشاہ سے ملک نہیں چھڑوایا۔ یہ سہرا ایران کی عوام کے سر تھا۔ اپنے ایک لیڈر کی قیادت میں سب لوگ طلباء، علماء، سیکولر، کمیونسٹ اور عوام خود لیڈر بنے ہوئے تھے اور دو دوملین افراد کا احتجاج ہو رہا تھا، کوئی لیڈر ان کو جمع نہیں کر رہا تھا بلکہ صرف ایک فکر تھی، ایک سوچ تھی، شہنشاہیت کے خلاف ایک بغاوت تھی، اس نظام کو پھینک دینے کا ایک جذبہ تھا۔

اس طرح تبدیلیاں آتی ہیں اور موجودہ دور کے بھی واقعات ایسے ہی ہو رہے ہیں۔ ایک بت کے خلاف، ایک نظام کے خلاف، جب تک قوم خود باہر نہیں نکلے گی، کوئی جماعت اور اس جماعت کے کارکن انقلاب نہیں دے سکتے۔ یہ بات یاد رکھ لیں، قوم کو اس نظام کے حوالے سے خود فیصلہ کرنا ہے۔ میں اس وقت اگر پاکستان میں ہوتا اور آپ کو لے کر باہر نکلتا۔ تو خود ہمارے ہی مقابلے میں حسد کرنے والے، مخالفت کرنے والے دس جلوس مختلف تاریخوں میں اور نکل آتے۔ ایم۔این۔اے کو اگر اس کی پارٹی کہے تو وہ اپنے حلقے میں پیسے لگا کر دس دس ہزار لوگوں کو لے کر باہر نکل آتے ہیں۔ ہر پارٹی کا الگ جلوس۔۔۔ ہر ایک کی قیادت الگ۔۔۔ قیادتوں میں ہی تماشا بن جاتا ہے، قوم منتشر ہو جاتی ہے، قوم فیصلہ ہی نہیں کر سکتی کہ کس کا راستہ اختیار کرنا اور کس کے پیچھے جانا ہے۔ جس منزل کی طرف جانا تھا، انقلاب یا اس نظام کو ختم کرنا تھا، اس کی طرف توجہ ہونے کے بجائے بٹ جاتی ہے اور مخصوص طاقتوں کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

تحریک بیداریٔ شعور کا یہ مقصد ہے کہ لوگوں تک یہ بات پہنچائیں کہ کوئی لیڈر انقلاب نہیں لائے گا، سب سے پہلے انقلاب کے لیے عوام کو نکلنا ہو گا، اس نظام کو اٹھا پھینکنا ہو گا، اپنے مقدر کا فیصلہ خود کرنا ہو گا۔ اس لئے کہ

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

جو لوگ گھر بیٹھے مر رہے ہیں انہیں چاہئے کہ باہر نکل کر مریں، شہادت تو کہلائے۔ کبھی خود کش حملوں سے مرتے ہیں، کبھی بھوک سے مرتے ہیں، کبھی بے روزگاری کی وجہ سے بچوں کو قتل کر رہے ہیں۔ خودکشیاں کر رہے ہیں، اس قوم پر اتنا بڑا جو عذاب مسلط ہے اسکا سبب یہ نظام ہے۔ اگر قوم متحد ہو کر اس نظام کو ختم کر دے تو سارے مسائل حل ہو جائیں۔ مہنگائی کا سبب یہ نظام۔۔۔ لوٹ مار کا سبب یہ نظام۔۔۔ بے روزگاری کا سبب یہ نظام۔۔۔ قتل و غارت اور دہشتگری کا سبب یہ نظام۔۔۔ عوام کی محرومی کا سبب یہ نظام۔۔۔ بجلی، پانی، گیس کی عدم دستیابی کا سبب یہ نظام۔۔۔ ملکی غیرت کے بیچے جانے کا سبب یہ نظام۔۔۔ ملکی حاکمیت اور خود مختاری برقرار نہ رہنے کا سبب یہ نظام۔۔۔ اس ملک کے کالونی اور غلاموں کا اڈا بن جانے کا سبب یہ نظام۔۔۔ جب تک اس نظام کے خلاف آپ نہیں اٹھتے اور ہر فرد باہر نہیں آتا، اپنا فرض ادا نہیں کرتا، اس وقت تک ہمارا مقدر، ملک کا مقدر، اگلی نسلوں کا مقدر سنور نہیں سکتا۔

قیادت کا معیار اور ہمارا رویہ

یہاں تو یہ شعور ہی نہیں ہے کہ صحیح قائد کون ہے اور کون نہیں۔۔۔؟ جس سوسائٹی میں قیادت کا ہی شعور نہ ہو، وہاں کون کس کو پہچانے گا۔۔۔؟ کس کے پیچھے چلے گا۔۔۔؟ اچھے اور برے کا معلوم نہیں۔۔۔؟ ایک اچھے، نیک، صالح، تعلیم یافتہ، باکردار آدمی کو انتخابات میں کھڑا کر دیں، ۲۰۰ ووٹ بھی اسے نہیں ملیں گے، اس لئے

کہ اس کے پاس کیمپ لگانے کے پیسے ہی نہیں ہیں۔ حلال کی کمائی والا اس نظام میں کیا کرے گا۔ میں خود دو حلقوں سے الیکشن نہ لڑ سکتا اگر پوری دنیا کے ہمارے کارکنان حلقے میں آ کر خود کوشش نہ کرتے، محنت نہ کرتے۔ یہ الیکشن تحریک منہاج القرآن کے کارکنان نے لڑا۔ اگر میں نے بحیثیت محمد طاہر القادری الیکشن لڑنا ہوتا تو میں ایسا نہ کرسکتا۔

موجودہ نظام انتخابات پیسے، غنڈہ گردی، دہشتگردی، وسائل، دھوکہ بازی، میڈیا، ایجنسیوں، establishment اور بیرونی ساز باز کی جنگ ہے۔ یہ سب چیزیں مل کر انقلاب دشمن ہیں اور ان حالات میں قوم کو قیادت کی پہچان اور اس بات کا شعور بھی نہیں ہے کہ قیادت کا پیمانہ کیا ہوتا ہے؟ آپ سقراط، افلاطون، ارسطو، مارکس، ہوبس، ہیوم، لوکس، ہیگل، ولیم جیمز الغرض یونانی فلسفے اور قبل زمانے کی قدیم تاریخ اور دور جدید مغربی دنیا تک کے اُن تمام political science (سیاسیات) کے فلاسفرز کو پڑھیں جو ریاست، لیڈر شپ، پاور، جمہوریت، عوامی حقوق پر بات کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک قیادت کی تعریف کیا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جو قیادت کا تصور تین ہزار سال سے آج کے دن تک جس فلسفی نے بھی دیا ہے، اس تصور کا تو اس ملک میں نام ونشان ہی نہیں ہے۔ اس تصور کے مطابق تو قوم کسی کو قائد ہی نہیں مانتی۔ یہاں تو قیادت کے پیمانے ہی اور ہیں۔

اسی طرح آقا ﷺ کی احادیث میں امیر اور قائد کی تعریفات موجود ہیں۔۔۔ سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر و عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیمات میں اچھے قائد، امیر کی علامات کا ذکر ہے مگر ہم اس پیمانہ ہی کو فراموش کئے بیٹھے ہیں۔

مسلم فلاسفرز اور ائمہ ابو نصر فارابی، الماوردی، ابو یعلیٰ محمد بن حسین الفراء، امام غزالی، ابن رشد، ابن تیمیہ، ابن خلدون اور اسلامی تاریخ کے جملہ ائمہ ومفکرین نے اوصاف قیادت بیان کئے۔ سب نے کہا کہ قیادت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل علم ہو۔۔۔ اس کی طبیعت کے اندر عدل ہو۔۔۔ پرہیز گار ہو۔۔۔ محرمات سے بچنے والا ہو۔۔۔ سخی ہو۔۔۔ عوام کے لیے رحم رکھنے والا ہو۔۔۔ صاحب فکر وتدبر ہو۔۔۔ صاحب اجتہاد ہو۔۔۔ صاحب فہم وصلاحیت ہو۔۔۔ جرات مند ہو، غیرت مند ہو۔

مگر افسوس! قیادت کے اس تصور کو تو پاکستان کی عوام نے رد کردیا ہے۔۔۔ نہ مغربی دنیا کا معیار قیادت یہاں قبول۔۔۔ نہ اسلامی تاریخ کا معیار قیادت یہاں قبول۔۔۔ نہ قرآن کا معیار قیادت یہاں قبول۔۔۔ پھر قوم کا مقدر کہاں سے بدلے؟ عوام کو جو قبول ہے وہ اس تصور قیادت کے برعکس ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آقا ﷺ نے فرمایا:

آخری زمانے میں لوگ شرار لوگوں کو ان کے شر کے ڈر سے، ان کے ظلم کے ڈر سے اپنا لیڈر منتخب کر لیں گے، اپنا سردار بنا لیں گے، اور کمینے، گھٹیا، بد کردار لوگ قوم کے سربراہ اور لیڈر بن جائیں گے۔ **وکان زعیم القوم ارزلهم**، قوم کے لیڈر، ان کے ذلیل اور رذیل لوگ ہوں گے۔

سب سے زیادہ کرپٹ، سب سے زیادہ جاہل، سب سے زیادہ جھوٹے، سب سے زیادہ خائن، سب سے زیادہ بد دیانت ،سب سے زیادہ دھوکے باز، سب سے زیادہ عیار لوگ قیادت کریں گے۔ جن کے اندر درج بالا ''خوبیاں'' ہوں اس کو حق ہے کہ وہ یہاں لیڈر بنے، وہ اس قوم کا ''قائد'' ہے۔

قوم کو یہ شعور منتقل کرنے کی ضرورت ہے کہ جب تک قوم معیار قیادت کو نہیں بدلتی، تصور قیادت کو نہیں بدلتی، جھوٹی قیادتوں کے بتوں کو پاش پاش نہیں کر دیتی اور اچھی قیادت کی آواز کو سن کر لبیک کہہ کر باہر نہیں نکل آتی، اس وقت تک اس قوم کو انقلاب نصیب نہیں ہوگا۔

مکہ کی قوم میں یہ شعور نہ تھا چنانچہ حضور ﷺ ہجرت فرما گئے اور آٹھ سال کے بعد پھر اس قوم (اہل مکہ) کو مفتوح قوم بننا پڑا۔ فاتح اہل مدینہ بنے، جن کو شعور آ گیا اور وہ بیدار شعور کے ساتھ حضور ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

ہمارے ہاں جو نظام چل رہا ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے ٹانگے میں کار کا انجن۔۔۔ کار میں ریل کا انجن۔۔۔ اور ریل میں ہوائی جہاز کا انجن۔۔۔ ہمارے تو ظروف و احوال ہی اپنی پوزیشن میں نہیں پہنچے۔ ہمیں علم و شعور چاہئے۔۔۔ ایسی قیادت چاہئے جو قوم کو تمام ترجیحات سے بڑھ کر پہلے تعلیم و شعور دینا شروع کرے۔۔۔ ان کے احوال کو درست کرے اور ان کے لیے راستے متعین کرے۔۔۔ کرپشن اور تباہی کے راستے ختم کرے۔۔۔ لوگوں کا جینا آسان کرے۔۔۔ ان کے اندر آزادی رائے اور فکر ہو۔۔۔ ان کو روزگار ملے اور عزت نفس بحال ہو۔۔۔ قوم کو قوم بنایا جائے۔۔۔ آج تو قوم، قوم ہی نہیں رہی، سب کچھ منتشر ہو گیا ہے۔۔۔ ہر شخص نفسا نفسی کے عالم میں ہے اور حیوانوں کی زندگی میں معاشرہ چلا گیا ہے۔۔۔ پڑوسی کا پورا خاندان قتل ہو جائے ساتھ والے گھر کے آنسو نہیں بہتے۔۔۔ جس کے سر پہ پڑتی ہے وہی روتا ہے اور باہر نکلتا ہے۔ جو قتل ہوتا ہے اسی کے ماں باپ روتے ہیں، محلے میں کسی دوسرے شخص کا آنسو نہیں گرتا۔ پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ آدمی خودکش حملے میں ہلاک ہوتے ہیں اور مجلس میں ذکر تک نہیں ہوتا۔ روز مرہ کا معمول بن گیا ہے۔ اس حد تک حالت خراب اور بے حسی طاری ہو چکی ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اس وقت ضرورت ایسے شخص کو لانا اور ایسے نظام کو لانا ہے جو پہلے قوم کو قوم بنائے، انسان کو انسان بنائے۔ ان حالات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل ہی شعور کی بیداری کی راہ رہ گئی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے کہا:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ. (البقرہ: ۱۱۰)

”تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو“۔

اسی حکم پر کماحقہ عمل کو بیداریٔ شعور کہتے ہیں۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میرے جان ہے اگر تم اس شعور کو بیدار کرنے کے لیے نہیں نکلو گے، نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور ظلم کے خلاف لوگوں کو آگاہ کر کے ظلم کے راستے میں دیوار کھڑی کرنے کے لیے نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ہمہ گیر عذاب کی ایسی لپیٹ میں لے لے گا کہ صالحین، خیار امت، اولیاء بھی تمہارے حق میں دعائیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں بھی تمہارے حق میں قبول نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں دعائیں ہیں جو لوگ حق کے لیے باہر نکلنے کو تیار نہیں تھے۔۔۔ جو لوگ ظلم کے خلاف ساتھ دینے کو تیار نہیں تھے۔۔۔ جو بے حسی کا شکار ہو کر امر بالمعروف اور شعور کی بیداری کے لئے میدان میں نہیں نکلے۔۔۔ برائی کو برائی کہنے اور سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔۔۔ پانچ سال جن کو گالیاں دیتے ہیں الیکشن میں پھر انہی کو ووٹ دے آتے ہیں۔

کارکنان کے لئے لائحہ عمل

جو تقسیم ہو چکی یہ تقسیم کبھی نہیں بدلنی، جب تک اس تقسیم کی اصل جڑ کو آپ نہیں کاٹتے۔ آپ اپنے سفر کو شعور کی بیداری کا سفر بنائیں۔ یہی طریق انقلاب ہے،

اس سے نگاہ نہ ہٹے۔ دو سے تین کروڑ عوام کا سمندر بیدار شعور کے ساتھ آپ کے ساتھ آ کر ملے تب منزل ملے گی۔ یونین کونسلز اور یونٹ لیول تک بیداریٔ شعور کے اس پیغام کو پہنچائیں۔ مرکز کی طرف سے میرے خطابات پر مشتمل بیداریٔ شعور پیکج ترتیب دیا گیا ہے۔ ان خطابات کو لوگوں تک پہنچائیں۔

سی ڈی نمبر	عنوانات
514	(انقلاب کی عملی جدوجہد کے تقاضے۔ ورکرز کنونشن)
725	(تحریکی جدوجہد میں علم وعمل کی ضرورت۔ ورکرز کنونشن)
893	(کارکن اور تحریکی حکمت عملی۔ ورکرز کنونشن)
1299	(اوصافِ قیادت۔ مرکزی مجلس شوریٰ)
1448	(انقلاب کب اور کیسے؟۔ ایم ایس ایم پارلیمنٹ اجلاس)
1450	(پاکستان میں شعوری انقلاب کی ناگزیریت۔ مرکزی مجلس شوریٰ)

تنظیمات آپس میں محبت پیدا کریں۔۔۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے پیدا کرنا، تناؤ پیدا کرنا، حسد کرنا، مخالفت کرنا، یہ سب منافقت کے مختلف نمونے ہیں۔۔۔ خدا کے لیے منافقت سے باہر نکل آئیں اور یک جان دو قالب بنیں۔ تنظیم نو میں اچھے اور قابل لوگوں کو آگے لائیں اور ان کی صلاحیتوں سے تحصیل لیول تک فائدہ اٹھائیں۔۔۔ تحریک کی بیٹیاں اور بیٹے اتنی کوشش کریں کہ ایک سال میں اس ملک کی ہر تحصیل اور تحصیل کے ہر یونین کونسل میں تحریک کی تنظیمات قائم ہو جائیں۔۔۔ دس سال کا سفر ایک سال میں طے کریں۔۔۔ اپنی کوشش کو نتیجہ خیز بنائیں۔۔۔ رسمی اجتماعات نہ کریں، بیداری شعور کا پیغام سمجھ کر لوگوں کے دل و دماغ تک منتقل کریں اور اس فکر کی طرف لوگوں کو متوجہ کریں اور متحرک کریں۔۔۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، کامیابی آپ کا مقدر بنے گی اور اُس کامیابی، مصطفوی انقلاب اور تبدیلی کا سویرا ان شاء اللہ طلوع ہوگا جس کا خواب آپ دیکھتے ہیں۔ مگر طریقہ یہ ہے جو میں نے اس پیغام اور گفتگو میں آپ کو سمجھایا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ یہ پیغام دل وجان میں بساتے ہوئے گھر گھر پہنچائیں اور ایک سال میں یہ کیفیت پیدا کر دیں کہ پانچ کروڑ افراد کے کانوں تک یہ پیغام پہنچے۔ اخلاص اور للّٰہیت سے لیس ہوکر اتنی محنت کریں کہ دو تین کروڑ لوگ اس شعور کے ساتھ آراستہ ہو کر اس نظام کو ٹھکرانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اللہ پاک آپ کا حامی و ناصر ہو۔۔۔ ملک پاکستان کی خیر ہو۔۔۔ آئینِ پاکستان کی خیر ہو۔۔۔ پاکستانی قوم کی خیر ہو۔۔۔ عالم اسلام کی اور امت مسلمہ کی خیر ہو۔۔۔ آقا ﷺ کی امت اور آقا ﷺ کا دین سر بلند ہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائے۔۔۔ اس ریاست کو اللہ تعالیٰ ہر بری آنچ سے بچائے۔۔۔ یہ قوم ایک زندہ قوم بن کر اٹھے اور آقا ﷺ کی امیدوں کے مطابق مصطفوی انقلاب کا سویرا طلوع کرے۔

الحدیث:

محبوبوں کی طرف منسوب چیزیں اور ان کی برکتیں

علامہ محمد معراج الاسلام

حضرت جحیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

رَاَیْتُ بِلَالًا اَخَذَ مِنْ وَضُوْءِ النبی ﷺ وَالنَّاسُ یَبْتَدِرُوْنَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَیْئًا لَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَمْ یُصِبْ مِنْهُ شَیْئًا اَخَذَ مِنْ بَلَلِ یَدِ صَاحِبِهٖ. (بخاری، ۱۸۷)

''میں نے دیکھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے وضوء کا پانی لے کر آئے تو لوگ اس کی طرف بے تحاشا بھاگے، جسے تبرک مل گیا، اس نے چہرے پر مل لیا اور جسے نہ ملا اس نے ساتھی کے ہاتھ سے ہی کچھ نہ کچھ نمی حاصل کر لی''۔

جو چیز اللہ والوں کے ساتھ نسبت رکھتی ہو، یا ان کے جسم کا جزو ہو، یا ان کے بدن کے ساتھ لگ چکی ہو، یا انہوں نے خود اسے چھولیا ہو، ہر صورت میں اس چیز کے اندر برکت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ تبرک بن جاتی ہے۔

صحابہ کرام ایسے تبرکات کی معجزانہ تاثیر اور حیرت انگیز فیضان کا صبح و شام مشاہدہ کیا کرتے تھے، اس لئے ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ ان تبرکات کے کسی حصے سے محروم نہ رہیں، چاہے وہ تھوڑا ہی ہو۔

حضور ﷺ کا مستعمل پانی، پس خوردہ کھانا، لعابِ دہن، وضوء کا بچا ہوا پانی، جسم مبارک کے ساتھ لگے ہوئے کپڑے، آپ کے بال مبارک، ناخن مبارک اور اسی قسم کے دیگر تبرکات، ان کی عقیدت و محبت کا مرکز تھے۔ وہ ان کے حصول کے لئے سر توڑ کوشش کرتے تھے اور انہیں پا کر یوں محسوس کرتے تھے جیسے ہفت اقلیم کی دولت پالی ہو، پھر جان سے بڑھ کر ان کی حفاظت کرتے تھے۔

حضور ﷺ کی ہدایات و تعلیمات کی بدولت ہی صحابہ کرام اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ تبرکات میں فیض رساں تاثیر ہوتی ہے اور وہ انسان کو فائدہ بخشتی ہے نیز حضرات صحابہ کرامؓ تبرکات کے بڑے ہی شائق، حریص اور شوقین تھے۔ جب ملنے کی باری آتی تھی تو ہزار سخی اور دریا دل ہونے کے باوجود وہ یہ خزانہ کسی اور کو دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے اور ذوق و شوق کے ساتھ خود ہی وصول کرتے تھے۔ اس سلسلے کی نمائندہ احادیث ترتیب وار بیان کی جاتی ہیں۔

چشمۂ تبوک میں برکت کا راز

مجاہدین میدان تبوک کی طرف رواں دواں تھے، محبوب نبی ﷺ کی قیادت میں بڑے جوش و جذبے کے ساتھ پیش قدمی جاری تھی۔ جواں حوصلوں اور توانا ولولوں کی سرخی، حسین چہروں پر شفق کی طرح بکھری ہوئی تھی۔ عربی شہسوار شوق شہادت سینوں میں دبائے ایک عزم کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک روز شام کے وقت نبی کریم ﷺ نے انہیں خوشخبری سنائی:

انكم ستاتون غدا ان شاء الله عين تبوک وانکم لم تاتوها حتی یضحی النهار.

''اللہ نے چاہا تو کل تم چشمۂ تبوک کے کنارے پہنچ جاؤ گے اور اس وقت پہنچو گے جب دن چڑھ چکا ہوگا''۔

بے آب و گیاہ ریگستانی سرزمین اور جھلسا دینے والی لو کی سلطنت میں یہ ایک بہت بڑی خوشخبری تھی۔ پانی ملنے کی نوید سن کر نورانی چہروں پر بشاشت پھیل گئی۔ اسی وقت حضور ﷺ نے نصیحت فرمائی:

تم میں سے اگر کوئی شخص پہلے پہنچ جائے تو چشمے کا پانی جوٹھا کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ رکا رہے اور ہمارا انتظار کرے، یہاں تک کہ ہم وہاں پہنچ جائیں۔

دو منافق وہاں موجود تھے انہوں نے اس حکم کی پرواہ نہ کی اور پہلے پہنچ کر پانی پی لیا، حضور ﷺ ان سے بہت ناراض ہوئے۔

صحابہ کرام نے دیکھا، چشمے میں پانی لکیر کی طرح موجود ہے، انہوں نے چلوؤں کے ساتھ ایک برتن میں کچھ پانی جمع کیا، اس کے بعد

غسل رسول الله ﷺ یدیه و وجهه.

حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ منہ دھوئے اور پانی دوبارہ چشمے میں انڈیل دیا۔ جونہی یہ متبرک پانی، چشمے کی تہہ تک پہنچا۔

جرت العین بماء منهر. (مسلم، ۲: ۲۴۶)

''پانی زبردست جوش کے ساتھ جاری ہوگیا''۔

حضور ﷺ جانتے تھے، مجاہدین جس چشمے تک پہنچنے والے ہیں اس میں پانی کم ہوگا اور تمام لوگ اس سے سیراب نہیں ہوسکیں گے، اس لئے آپ ﷺ نے اسے استعمال کرنے سے منع فرمادیا تھا تاکہ وہاں پہنچ کر پہلے اسے متبرک بنالیں اور بعد میں سب کو استعمال کرنے کی اجازت دیں تاکہ کمی واقع نہ ہو۔

جب وہاں پہنچے تو چشمے میں صرف نام کو پانی موجود تھا، اسی کو جمع کرکے اپنے ہاتھ منہ دھوئے، جسم اطہر کے ساتھ لگنے سے اس میں فیوض و برکات کی نظر نہ آنے والی خصوصیت اور زیادہ ہونے کی صفت و تاثیر پیدا ہوگئی۔ جونہی اس تبرک کو پانی میں انڈیلا گیا، وہاں پانی کے دھارے بہہ نکلے اور ہر طرف پانی ہی پانی ہوگیا جیسے خشک زمین سے سوتے پھوٹ پڑے ہوں۔ اس مشاہدے نے سب پر یہ حقیقت منکشف کردی کہ جو پانی حضور نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ لگ جائے، وہ بڑا ہی بابرکت، پرتاثیر، فیض رساں اور شفا بخش ہوجاتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی لئے حضور کریم ﷺ کے استعمال میں آنے والے یا پینے کے بعد بچے ہوئے پانی کی بڑی قدر کرتے تھے اور کسی قیمت پر اس سے دستکش ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے بلکہ بڑی چاہت اور رغبت کے ساتھ اسے خود پیتے اور تبرک بنا کر رکھتے تھے۔

صحابہ کرام کا حصول برکت کیلئے باقاعدہ آنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

خدام مدینہ کا دستور تھا کہ وہ فجر کے بعد پانی کے برتن لے کر آجاتے تھے، حضور ﷺ ہر برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی کو متبرک بنادیتے تھے۔

کان رسول الله ﷺ اذا صلی الغداة جاء خدم المدینه بانیتهم فیها الماء فما یوتی باناء الاغمس یده فیه وربما جاء ه فی الغداة الباردة فیغمس یده فیه. (مسلم، ۲: ۲۵۶)

تبرکاتِ مصطفیٰ ﷺ اور صحابہ کرام کا عمل

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

میدان بطحاء میں صحابہ کرام خیمہ زن تھے، میں

بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس وقت نبی محترم ﷺ چمڑے کے ایک سرخ قبہ میں تشریف فرما تھے۔ نماز کا وقت ہوگیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، پھر وضوء کرایا۔ جو پانی بچا، وہ لے کر باہر نکلے تو وہاں موجود مجمع میں ہلچل مچ گئی، لوگ اس متبرک پانی کے حصول کے لئے دیوانہ وار ٹوٹ پڑے اور بڑی عقیدت ومحبت سے قطرہ قطرہ لیا، جسے کچھ نہ مل سکا اس نے دوسرے شخص کی ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی رگڑ کر ہی برکت حاصل کرلی۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

واخرج فضل وضوء رسول اللہ ﷺ فوقع الناس علیه یاخذون منه. (بخاری، ۵۰۳)

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ وضوء کا بچہ ہوا پانی باہر لائے تو لوگ اسے حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے''۔

حضرت جحیفہ کہتے ہیں:

رایت بلالا اخذ من وضوء النبی ﷺ والناس یبتدرون الوضوء فمن اصاب منه شیاء تمسح به، ومن لم یصب منه شیئا اخذ من بلل ید صاحبه. (بخاری، ۱۸۷)

''میں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے وضوء کا پانی لے کر آئے تو لوگ اس کی طرف بے تحاشا بھاگے، جسے تبرک مل گیا اس نے چہرے پر مل لیا اور جسے نہ ملا اس نے ساتھی کے ہاتھ سے ہی کچھ نہ کچھ نمی حاصل کرلی''۔

☆ حضرت ابوقرارہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

دعا بطهور فغمس یده فیه فتوضا فتتبعاه فحسوناه.

''حضور ﷺ نے وضوء کے لئے پانی منگایا، اس میں ہاتھ ڈال کر وضوء فرمایا ہم نے کوشش کرکے وہ پانی حاصل کیا اور پیا''۔

جب حضور ﷺ نے میکدہ محبت کے ان فرزانے متوالوں کی یہ عاشقانہ کیفیت دیکھی تو پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟

اور انہوں نے بھی محبت چھپانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی اور برملا اعتراف محبت کرتے ہوئے کہا: یہ سب کچھ ہم نے خدا اور رسول کی محبت کی وجہ سے کیا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اگر چاہتے ہو کہ خدا اور رسول تمہارے ساتھ محبت کریں تو امانت میں خیانت نہ کرو، جب بات کرو تو سچ بولو اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (اسد الغابہ، ۵:۲۷۶)

نگاہِ ایمان میں تبرک کی قدر

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ''جعرانہ'' ہے۔ حضور ﷺ، صحابہ کرام کے ہمراہ وہاں قیام پذیر تھے، ایک دیہاتی آیا اور بڑی رعونت سے نام مبارک لے کر بولا:

جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا اب وہ پورا کریں۔

حضور ﷺ نے اس کے لہجے کی شوخی کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی ملائمت سے فرمایا: ہم سے خوشخبری لے لو۔

دنیا جہاں کی کامیابی اور جنت کے سوا خوشخبری اور کس چیز کی ہوسکتی تھی، مگر اس پر تو بدبختی سوار تھی، وہ دنیاوی خزف ریزوں کا طالب تھا، اسی ڈھٹائی سے بولا:

خوشخبری تو آپ دیتے ہی رہتے ہیں، ہمیں تو مال دیں۔

اس کی یہ ڈھٹائی حضور ﷺ کو بہت بری لگی، اس وقت وہاں حضرت ابو موسیٰ اور حضرت بلال موجود تھے، آپ نے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اس نے خوشخبری کی نعمت حاصل کرنے سے انکار کردیا ہے تم یہ خوشخبری قبول کرو۔

انہیں اور کیا چاہئے تھا، قدرت نے نوازش و عطا کا از خود موقعہ پیدا کردیا تھا، حضور ﷺ کے قدموں پر نثار ہوگئے اور عاجزی سے بولے:

حضور ﷺ ہم یہ بشارت عظمیٰ قبول کرتے ہیں۔

آقا ﷺ نے انہیں اسی وقت فیض یاب اور بھرپور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: برتن میں پانی لاؤ۔ جب پانی آگیا تو آپ ﷺ نے

غسل یدیه و وجهه و مج فیه.

''اس میں ہاتھ دھوئے، چہرہ دھویا اور کلی کی اس کے بعد فرمایا:

اشربا منه وافرغا علی وجوهکما ونحورکما وابشرا.

''اس دھوون کو پی لو، اپنے چہرے اور سینے پر ڈالو اور خوش ہوجاؤ''۔

اس دھوون میں سوزو سرور کیف و مستی کی جو نشاط انگیز اور سینہ کشا کیفیت پیدا ہوگئی تھی اس کو تو وہی جان سکتے ہیں جنہیں یہ نعمت عظمیٰ میسر آئی البتہ وہاں ایک ہستی اور بھی موجود تھی جو اس متبرک دھوون میں مستور انوار کی موجودگی سے بے خبر نہیں تھی۔ اسے پتہ تھا کہ یہ صرف استعمال شدہ پانی نہیں بلکہ جام طہور کو بھی شرمانے والا آب حیات ہے جس کے حیات بخش قطرات جسمانی ہی نہیں بلکہ دل کی زندگی کے بھی ضامن ہیں۔ یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان دونوں کو تنہا سیراب ہوتا دیکھ کر پردے کے پیچھے ہی سے گویا ہوئیں۔

افضلا لامکما مما فی انائکما. (مسلم، ۲: ۳۰۳، بخاری، ۲۲۰)

''جو کچھ تمہارے برتن میں ہے، وہ اپنی امی جان کے لئے بھی بچا کر رکھنا۔ چنانچہ دونوں حضرات نے حضرت ام المومنین کو بھی اس تبرک سے حصہ دیا''۔

☆ ایک دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں حضور ﷺ کے ایک طرف حضرت ابن عباس اور دوسری طرف حضرت خالد بن ولید بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ام المومنین نے دودھ کا گلاس پیش کیا۔

حضور ﷺ نے وہ دودھ نوش فرمایا، جو باقی بچا وہ ہاتھ میں لے کر حضرت عباس سے فرمایا:

تم دائیں طرف بیٹھے ہو، اس لئے حق تمہارا ہے لیکن خالد بن ولید تم سے پہلے آئے ہیں اگر اجازت دو تو دودھ انہیں دے دوں؟

حضرت ابن عباس یہ بیش بہا دولت چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور عرض کیا؟

ما کنت اوثر علی سورک احدا. (ترمذی، ۱۸۳)

''جو آپ کا پس خوردہ ہے وہ تو میں کسی قیمت پر دوسرے کو دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گا''۔

☆ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے تو اس تبرک کی خاطر بہت بڑی قربانی دے ڈالی اور روزہ توڑ دیا تاکہ اس تبرک سے محروم نہ رہیں۔ آپ فرماتی ہیں:

کنت قاعدة عندالنبی ﷺ فاتی بشراب فشرب منه، ثم ناولنی فشربت منه وقلت انی اذنبت فاستغفرلی قال وما ذاک قلت کنت صائمة فافطرت.

''میں حضور ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ کی خدمت میں مشروب پیش کیا گیا، آپ نے اس میں سے پی کر تبرک مجھے عنایت فرمایا، میں نے پہلے پی لیا پھر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے گناہ کیا ہے، میں روزے دار تھی، میں نے روزہ توڑ لیا ہے''۔ (ترمذی، ۱: ۹۱)

آقا علیہ السلام نے کوئی سرزنش نہ فرمائی۔

ان احادیث میں بیان شدہ تبرکات کی اعجازی شان اور صحابہ کرام کے واقعات و معاملات کی تفصیل سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ تبرکات انمول شے ہوتے ہیں اور ان میں ایسا روحانی کیف اور فیضان موجود ہوتا ہے کہ اس کے حصول کے لئے دیوانوں کی طرح لڑائی بھی کی جاسکتی ہے کیونکہ روزے کی قضا ممکن ہے مگر اس نعمت سے محروم ہوجانے کی کوئی قضا نہیں۔

قربانی احکام و مسائل

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آج سے ہزاروں سال پہلے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے پیش کرکے اطاعت و وفا کا ایسا اظہار فرمایا کہ جس کی مثال پوری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ قربانی و ایثار اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں اس قدر کمال کا یہ جذبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ قیامت تک اس کو برقرار رکھ کر امت مسلمہ کو یہ حکم دیا کہ وہ جانوروں کو قربان کیا کریں تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد تازہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اسوۂ زندہ رہے۔ چنانچہ فرزندان اسلام ہمیشہ سے اس سنت ابراہیمی کو تازہ و زندہ رکھنے کے لئے دس ذی الحج کو قربانی کرتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی:

مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِی قَالَ هِیَ سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ.

’’یارسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے لہٰذا اس کو خوش دلی سے ادا کرو‘‘۔

قربانی اسلام کے شعائر اور دین کی نشانیوں میں سے ہے۔ قربانی کی عبادت ہر دور میں کسی نہ کسی رنگ میں ہوتی چلی آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ اللّٰهُ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ.

’’اور ہم نے ہر امت کے لئے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں، اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپائیوں پر‘‘۔ (الحج،۲۲: ۳۴)

قربانی کیا ہے؟

القربان مایتقرب به الی الله وصارفی التعارف اسماً للنسيكة التی هی الذبيحة.

’’قربانی وہ چیز جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے،اصطلاح شرع میں یہ قربانی جانور ذبح کرنے کا نام ہے‘‘۔(المفردات للراغب ص ۴۰۸ طبع مصر)

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

☆ امام ترمذی وابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَاعَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وِاِنَّهُ لَيَاْتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاشعارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا.

(مشكوٰة ص ۱۲۸ باب الاضحيه)

’’ابن آدم نے قربانی کے دن خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ خدا کے حضور پسندیدہ کوئی کام نہیں کیا اور بے شک وہ قربانی کا جانور قیامت کے دن

اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور بے شک خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں مقام قبول میں پہنچ جاتا ہے۔ لہذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو"۔

☆ حضور ﷺ قربانی کرتے وقت دعا فرماتے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ

"الٰہی محمد ﷺ، آپ کی آل اور آپ کی امت کی طرف سے قبول فرما"۔ (مشکوۃ ص ۱۲۷)

☆ اس میں احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے ان الفاظ کا مزید اضافہ کیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ. (مشکوۃ ص ۱۲۸)

"الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے ان امتیوں کی طرف سے قبول فرما جو قربانی نہیں کر سکے"۔

فقرائے امت کی خوش نصیبی دیکھئے کہ ان کے احساس محرومی کا آقا ﷺ نے اپنی طرف سے قربانی دیکر ہمیشہ کے لئے ازالہ فرما دیا تاکہ کوئی غریب مسلمان یہ سوچ کر احساس کمتری کا شکار نہ ہو کہ اہل ثروت نے قربانی کا سارا ثواب حاصل کرلیا اور ہم محروم رہے۔

☆ حنش کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا، میں نے پوچھا یہ کیا؟ فرمایا:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّیْ عَنْهُ. فَاَنَا اُضَحِّ عَنْهُ.

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس بات کی وصیت فرمائی تھی کہ میں حضور کی طرف سے قربانی کروں۔ سو میں سرکار کی طرف سے (بھی) قربانی کرتا ہوں"۔

(ابوداؤد، ترمذی وغیرہ، مشکوۃ ص ۱۲۸)

سبحان اللہ، کیسے سعادت مند ہیں وہ اہل خیر، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، رسول محترم ﷺ کی طرف سے آج بھی عمدہ قربانی دیتے ہیں۔ یقیناً آقا ﷺ کی روح خوش ہوگی اور یقیناً اس کے طفیل ان کی اپنی قربانی بھی شرف قبول پائے گی۔

☆ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِیُ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عليه السَّلَامُ قَالُوْا فَمَالَنَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ.

"رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ہمارے لئے ان میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے نیکی۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اون کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اون کے بدلے نیکی ہے"۔ (احمد، ابن ماجہ، مشکوۃ)

آیئے قربانی کے چند مسائل کا مطالعہ کرتے ہیں:

جانور ذبح کرنے کا شرعی طریقہ

ذبح کرنے سے پہلے جانور کو گھاس ڈالیں اور پانی پلائیں۔ ایک جانور کے سامنے دوسرے کو ذبح نہ کریں۔ جانور کے سامنے چھری کو تیز نہ کریں۔ چھری خوب تیز ہو۔ جانور کو بائیں پہلو پر اس طرح لٹائیں کہ قبلہ کی طرف اس کا منہ ہو اور اپنا داہنا پاؤں اس کے پہلو پر رکھ کر چھری چلائیں۔ اس طرح ذبح کریں کہ چاروں رگیں کٹ جائیں یا کم از کم تین رگیں کٹ جائیں۔ اس سے زیادہ نہ کاٹیں کہ چھری گردن کے مہرہ تک پہنچ جائے۔ جب تک یقین نہ ہوجائے کہ روح نکل گئی اس وقت تک نہ چمڑہ اتاریں نہ اعضاء کاٹے جائیں۔

زخمی جانور کی قربانی کا حکم

جس جانور کا پورا کان یا زیادہ حصہ کٹا ہوا ہے اس کی قربانی جائز نہیں۔

لا تصح بمقطوعة الاذن او الذنب او الالية

اذا ذهب اکثر من ثلثها اما اذا بقی ثلثا فانها تصح.

(ہدایہ مع فتح القدیر ص۴۳۳، ج۸/ شامی ج۲ ص۱۳۲۲)

''جس جانور کا کان یا دم یا چکی (سرین) کٹے ہوئے ہوں اس کی قربانی درست نہیں جبکہ ایک تہائی سے زیادہ حصہ کٹا ہو، اگر دو تہائی باقی ہے اور صرف تہائی چلا گیا تو اس کی قربانی جائز ہے''۔

قربانی کے گوشت کی درست تقسیم اور نیت

قربانی کے گوشت کے لئے بہتر ہے کہ تین حصے کئے جائیں۔

۱۔ اپنے لئے ۲۔ رشتہ داروں کیلئے

۳۔ عام لوگوں کے لئے

یہاں تک کہ ضروریات کے پیش نظر تمام گوشت بھی کسی ایک قسم میں صرف کرسکتا ہے۔ ایثار کا یہی تو سنہرا موقع و ذریعہ ہے۔ لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش۔

قربانی دیتے وقت جس کی نیت کریں گے اسی کی طرف سے ہوجائے گی۔ اپنی طرف سے، کسی اور کی طرف سے، زندہ کی طرف سے، مرحوم کی طرف سے۔

اگر آپ صاحب نصاب ہیں تو پہلے اپنی قربانی دیں پھر کسی اور کی طرف سے۔ صاحب نصاب نہیں تو جس کی طرف سے چاہیں دے سکتے ہیں۔ قربانی خواہ زندہ کی طرف سے ہو، خواہ مرحوم کی طرف سے، اس کے گوشت وغیرہ کے وہی احکام ہیں جو مذکور ہوئے۔

بغیر نصاب کے قربانی جائز ہے

کسی کی ابتر مالی حالت کے پیش نظر، اس پر شرعاً قربانی واجب نہیں لیکن اسکے باوجود اگر وہ قربانی کرتا ہے تو قربانی ہوجائے گی۔ جیسے نابالغ پر کوئی نماز، روزہ وغیرہ واجب نہیں مگر ادا کرے تو صحیح ہے۔ یعنی نماز بھی ہوجائے گی اور روزہ رکھنے سے روزہ بھی ہوجائے گا، ہاں فرض کے طور پر نہیں بلکہ نفلی عبادت کے طور پر۔

اسی طرح اس شخص کی قربانی ہوجائے گی مگر واجب کے طور پر نہیں، نفلی حیثیت سے۔ پس اگر کوئی قربانی کرتا ہے اور خلوص نیت سے کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے حضور اجروثواب پائے گا۔

حلال جانور کے حرام اجزاء

حلال جانور کی اوجھڑی اور گردے وغیرہ کھانا جائز ہے۔ صرف سات اجزاء مکروہ تحریمہ یا حرام ہیں۔

ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان سبعۃ الدم المسفوح والذکر والانثیان، والقبل، والغدۃ، والمثانۃ، والمرارۃ.

(فتاوی عالمگیری ص۲۹۰، ج۵/ بدائع الصنائع ج۵، ص۶۱)

''حلال جانور کے سات اجزاء حرام ہیں:

۱۔ بہتا ہوا خون ۲۔ آلہ تناسل ۳۔ خصیے

۴۔ پیشاب گاہ ۵۔ گلٹی ۶۔ مثانہ ۷۔ پتہ''۔

صرف ان سات اجزاء کو کھانا، حرام ہے۔ باقی سب حلال ہیں۔

انتقالِ پُر ملال

گذشتہ ماہ مرکزی سیکرٹریٹ پر خدمات سرانجام دینے والے درج ذیل احباب کے اعزہ و اقارب دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ محترم محمد اشفاق انجم (کمپیوٹر آپریٹر ماہنامہ منہاج القرآن) کے بڑے بھائی محترم محمد نواز (لاہور)

☆ محترم محمد عمران حامد (انچارج سینٹرل سٹور مرکزی سیکرٹریٹ) اور محترم محمد نجم حامد (سٹاف ممبر) کے والد محترم

مرکزی قائدین اور جملہ سٹاف ممبران نے مرحومین کے انتقال پر گہرے غم و رنج کا اظہار کرتے ہوئے انکی مغفرت و بخشش کیلئے خصوصی دعا کی۔

شعائرِ اسلام

حکمتیں اور تقاضے

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

زیرِ نظر مضمون عرب دنیا کے ایک ممتاز عالم استاد محمد فتحی عثمان کی تصنیف ''الدین للواقع'' (دین برائے حقیقت) کے ایک باب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں دینِ اسلام کو ایک دینِ عمل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جو زندگی کے سخت، مشکل اور تلخ حقائق سے گریز سکھانے کے بجائے ایمان و بصیرت کے ساتھ ان کا سامنا کرنے اور حل کرنے کی تربیت دیتا ہے۔ یہ دین اعتدال اور توازن کا دین ہے، یہ ''دینداروں'' اور ''دنیا داروں'' کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کرنے کا قائل نہیں۔ اسکے پیغمبر ﷺ نے یہ فرما کر یہ مصنوعی تفریق ختم کردی ہے اور دنیا و دین کے درمیان توازن قائم کردیا ہے کہ **واعمل لدنیاک کانک تعیش ابدا واعمل لآخرتک کانک تموت غدا.**

''اپنی دنیا کے لئے یوں دل لگا کر کام کر جیسے تو نے ہمیشہ یہیں زندگی گزارنا ہے اور آخرت کے لئے اس یقین اور اخلاص سے کام کر جیسے تو نے کل ہی مرجانا ہے''۔

اس مضمون کا اول حصہ ماہ ستمبر 2011ء میں شائع ہوا۔ اس امید کے ساتھ اس مضمون کا آخری حصہ نذرِ قارئین ہے کہ یہ تحریر ہمیں دین کی حقیقت سے آشنا کرتے ہوئے عمل کی جانب راغب کرے گی۔

دین کے شعائر بھی حکمت سے لبریز ہیں۔ ایک ایسی حکمت جو عبادت گزار اور شعائر ادا کرنے والے کے وجدان کی گہرائیوں تک سرایت کرجاتی ہے اور پھر محرابِ مسجد سے وہ اسی حکمت کو اپنے دل و دماغ میں لئے ہوئے باہر میدان زندگی میں نکل آتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں قدم بڑھاتا جائے۔ (آیئے شعائر اسلام کی چند حکمتوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں)

۱۔ نماز: نماز طہارت و صفائی، جماعت و تنظیم، عبادت و اطاعت، امامت و اتباع، ترتیب و تنسیق اور ضبط و پابندیٔ وقت کے ساتھ ساتھ اللہ کا ذکر اور اجتناب خواہش کا درس دیتی ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا.

''بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے''۔ (النساء: ۱۰۳)

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت: ۴۵)

''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے''۔

۲۔ روزہ: رمضان المبارک کا روزہ بھی عزیمت و ارادے کی ایک ریاضت و تربیت ہے۔ اصول اور طریقہ زندگی کے لئے وحدت و تنظیم اور قوت تحمل کے ساتھ ساتھ اجتنابِ معاصی کی عملی تعلیم ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس

للہ حاجة ان یدع طعامه و شرابه.

''جس روزہ دار نے جھوٹ بولنا نہ چھوڑا اور جھوٹ پر عمل کو ترک نہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ کو اس بات کی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے''۔

۳۔ زکوٰۃ: اسی طرح زکوۃ بھی شماریات وحساب کی ایک تربیت کے علاوہ اللہ کی عبادت کی طرف رغبت کا باعث بھی ہے۔ مال و دولت کے سلسلے میں بھی احکام الٰہی کی اطاعت کی دعوت ہے۔ اسی لئے ہمارے فقہاء نے زکوٰۃ کو مالی عبادت کا نام دیا ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ زکوٰۃ مومنوں کو اس بات کا بھی احساس دلاتی ہے کہ ان کے مال میں اسلامی معاشرے اور اس کے بعض افراد کا بھی حق ہے۔

۴۔ حج: حج تو ''سِیۡرُوۡ فِی الۡاَرۡضِ'' کی عملی تربیت کے علاوہ ثقافت، آداب معاشرت اور باہمی تعارف کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔

لِّیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَیَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ.... (الحج:۲۸)

''تاکہ وہ اپنے فوائد (بھی) پائیں اور (قربانی کے) مقررہ دنوں کے اندر اللہ نے جو مویشی چوپائے ان کو بخشے ہیں اُن پر (ذبح کے وقت) اللہ کے نام کا ذکر بھی کریں''۔

اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ فَمَنۡ فَرَضَ فِیۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ وَلَا جِدَالَ فِی الۡحَجِّ.

''حج کے چند مہینے معیّن ہیں (یعنی شوّال، ذوالقعدہ اور عشرۂ ذی الحجہ) تو جو شخص ان (مہینوں) میں نیت کر کے (اپنے اوپر) حج لازم کرلے تو حج کے دنوں میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے اور نہ کوئی (اور) گناہ اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کرے''۔ (البقرہ:۱۹۷)

شعائر دین تو گویا ایک درسگاہ ہے جہاں زندگی کی عملی تربیت ہوتی ہے مگر یہ شعائر اپنی جگہ سب کچھ نہیں ہیں۔۔ زندگی کی تربیت ہے نہ کہ خود زندگی۔

اگر مساجد اور عبادت گاہوں میں جانے والے لوگوں کے ساتھ لین دین کرتے ہوئے بھی اللہ کی ذات کو نگاہ میں رکھیں اور دنیا کی طلب میں بھی آخرت ہی کی تلاش رکھیں تو پھر جہان کے تمام گوشے ادیان و مذاہب کی روشن کرنوں سے معمور ہوجاتے ہیں۔عبادت کے شعائر و رسومات عبادت گزاروں کے عقل و دماغ اور رفتار و گفتار کو ایک ہی رخ پر منظم کردیتے ہیں بالکل جس طرح مقناطیس کی کشش سے لوہے کے تمام ذرات ایک ہی رخ پر کھنچے چلے آتے ہیں۔قول و فعل میں ہدایت ربانی کو اپنا محور بنالینے سے ہر تعمیر کی جانے والی عبادت گاہ سے انسانیت کو بیش بہاد دولت میسر آتی ہے۔

دینی شعائر میں سے جن کو بنیادی فرائض کی حیثیت حاصل ہے وہ بالکل محدود و معدود ہیں مگر بایں ہمہ وہ عذر کی صورت میں نرمی یا رخصت سے بھی خالی نہیں۔ ان بنیادی فرائض کے علاوہ جو عبادات نافلہ ہیں وہ افراد اور زمانے کے حالات پر موقوف ہیں اور ان کا تعلق فراغت اور وقت کی گنجائش کے ساتھ ہے۔ کام کا تعلق فراغت کے ساتھ بھی ہے اور سائنس اور ماحول کے نتیجے کے مطابق ایک فرد کی بنیادی تشکیل کے معیار سے بھی ہے۔ چنانچہ ایک مطبوعہ کتاب کا مطالعہ، کسی فن کا مشاہدہ، ریڈیو اور سینما سب ہی مفید اور کارآمد وسائل ہیں اور اپنی جگہ صحیح رہنمائی اور عمدہ تربیت کی صورت پیدا کرسکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نوافل عبادات اور اورادو وظائف کی جگہ کسی ایسے ہی مفید اور نتیجہ خیز مشغلے میں لگ جائے تو یہ بھی اس کی شخصیت کی عظمت و تعمیر کا کام دے سکتا ہے۔

اللہ کی شریعت کا فیض عام ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔۔ اس شریعت کی تاریخ انسانی ارتقا کے اصول کو بڑی وضاحت کے ساتھ تسلیم کرتی ہے۔۔ کیونکہ اللہ وحدہٗ لاشریک کا مقرر کردہ دین ازل سے تاابد ایک ہی ہے اور وہ اپنے اندر متعدد قانونی شکلیں اور صورتیں لئے ہوئے ہے جو احوال و اطوار اور زمان و

مکان کے اختلاف کے ساتھ ساتھ متعدد و مختلف ہونے کی وسعت و صلاحیت رکھتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تدبیر کے مطابق جیسا کہ قرآن مجید بیان کرتا ہے، بادشاہ کا پیمانۂ غلہ گم ہوگیا۔ برادران یوسف علیہ السلام سے سوال ہوا تو انہوں نے صاف انکار کیا اور فیصلہ دیا کہ چوری کی سزا کے طور پر چور کو مال مسروقہ کے مالک کے سپرد کیا جائے۔ ان کی شریعت میں تھا ہی یہی اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ قانون شریعت ابراہیمی سے لیا گیا تھا:

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ. (یوسف: ۷۴)

’’وہ (ملازم) بولے: (تم خود ہی بتاؤ) کہ اس (چور) کی کیا سزا ہوگی اگر تم جھوٹے نکلے؟‘‘۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ط كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ. (یوسف: ۷۵)

’’انہوں نے کہا: اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں سے وہ (پیالہ) برآمد ہو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے (یعنی اسی کو اس کے بدلہ میں رکھ لیا جائے)، ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں‘‘۔

شریعت یہود کے بارے میں آپ پڑھیں گے کہ اس میں حرمت کے بعض ایسے احکام بھی ہیں جو گناہ کی سزا کے طور پر صادر ہوئے یا اطاعت و تعبد میں مبالغہ کے طور پر جاری ہوئے۔ ان میں حرام کردہ اشیاء سے کوئی موضوعی سبب پیش نظر نہیں تھا مثلاً

’’یعنی یہود کے ظلم و تعدی کے باعث ہم نے ان پر وہ طیبات بھی حرام کردیں جو پہلے حلال تھیں نیز بہت زیادہ راہ خدا سے باز رکھنے کے سبب بھی۔۔۔ یہودیوں پر ہم نے ہر ناخنوں والا جانور حرام کردیا تھا اور گائے بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی مگر وہ جو ان کی کمروں پر ہویا ان کی انتڑیوں پر لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔۔۔ یہ سزا ہم نے انہیں ان کی سرکشی پر دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔۔۔ کھانے کی سب چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں قبل اس کے کہ تورات نازل کی جائے، سوائے اس کے جو اسرائیل نے خود اپنے آپ پر حرام کرلیا تھا‘‘۔

اسی طرح آپ توبہ کا ایک ہیبت ناک طریقہ بھی مطالعہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی شریعت میں مقرر کیا تھا۔ ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (البقرہ: ۵۴)

’’اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑے کو (اپنا معبود) بنا کر اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ہے تو اب اپنے پیدا فرمانے والے (حقیقی رب) کے حضور توبہ کرو پس (آپس میں) ایک دوسرے کو قتل کر ڈالو (اس طرح کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی اور اپنے دین پر قائم رہے ہیں وہ بچھڑے کی پرستش کر کے دین سے پھر جانے والوں کو سزا کے طور پر قتل کر دیں)، یہی (عمل) تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک بہترین (توبہ) ہے، پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرما لی، یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے‘‘۔

پھر اسلام کی آمد آمد ہے۔۔۔ اب حلت و حرمت خالص موضوع اسباب کی بناء پر ہوگی۔ ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ. (الاعراف: ۱۵۷)

’’(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اورمعاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) - جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے - ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں‘‘۔

قرآن کریم واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ انسانی ارتقاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے شرائع سماویہ میں تدریج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَـقِّ‌ؕ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا‌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَـعَلَـكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰـكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡـرٰتِ‌ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ. (المائدۃ:۴۸)

’’اور (اے نبیِّ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف (بھی) سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس (کے اصل احکام و مضامین) پر نگہبان ہے، پس آپ ان کے درمیان ان (احکام) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے نازل فرمائے ہیں اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اس حق سے دور ہو کر جو آپ کے پاس آچکا ہے۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور کشادہ راہِ عمل بنائی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (ایک شریعت پر متفق) ایک ہی امّت بنا دیتا لیکن وہ تمہیں ان (الگ الگ احکام) میں آزمانا چاہتا ہے جو اس نے تمہیں (تمہارے حسبِ حال) دیے ہیں، سو تم نیکیوں میں جلدی کرو۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کو پلٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان (سب باتوں میں حق و باطل) سے آگاہ فرمادے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے‘‘۔

قرآن مجید چونکہ اللہ کی آخری کتاب ہے اور اسلام پر ادیان سماویہ ختم ہوگئے ہیں، اس لئے حکمت الٰہی نے اس دین میں تطور و ارتقاء کے عناصر کو ودیعت کرنے کو فراموش نہیں کیا چنانچہ نصوص کی تفسیر، ان میں مطابقت پیدا کرنا، ان کی تاویل کرنا اور جہاں کوئی شرعی نص وارد نہیں ہوئی وہاں اجتہاد کی گنجائش رکھنا۔ یہ سب باتیں عقل انسانی کے سپرد ہیں۔ وہ عقل انسانی جو افکار کی رفتار اور معاشرتی حالات کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ہے۔

شریعت اسلامی میں کارفرما آسانی

پرانے زمانے میں ہمارے مجتہد فقہا نے ان عظیم اصولوں کا استنباط کیا ہے جو شریعت اسلامی کی لچک اور صلاحیت پر دلالت کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ انسانیت کی طویل عمر کے ساتھ ساتھ جب بھی اس شریعت کو نافذ العمل ہونے کا موقع ملے گا وہ آزمائش پر پوری اترے گی۔ استنباط کئے جانے والے ان اصولوں میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح

’’مفاسد کا دور کرنا، منافع کے حصول پر مقدم ہے‘‘۔

۲۔ یرتکب اخف الضررین لدفع اکبرھما.

’’دو نقصانات میں سے ہلکے نقصان کا ارتکاب کیا جائے تاکہ بڑے نقصان سے بچاؤ ہوسکے‘‘۔

۳۔ الضرورات تبیح المحظورات.

’’ضرورتیں ممنوع اشیاء کو بھی مباح بنادیتی ہیں‘‘۔

۴۔ **الحکم یدور مع علة وجودا وعدما.**

''وجود اور عدم کے اعتبار سے حکم کا دارومدار علت پر ہے۔ علت موجود ہو تو حکم موجود اور علت معدوم ہو تو حکم بھی معدوم''۔

۵۔ **تغیر الاحکام بتغیر الزمان هو اختلاف عصرو زمان لاختلاف حجة وبرهان.**

''زمانے کے تغیر سے احکام میں تبدیلی کا مطلب ہے زمانے اور وقت کا اختلاف نہ کہ دلیل و برہان کا اختلاف''۔

۶۔ **المعروف عرفا کالمشروط شرطا.**

''رواج میں مستحسن چیز بھی ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز شرط کے مطابق ہو''۔

ان اصولوں کا سرچشمہ خود قرآن مجید ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ. (البقرہ:۲۸۶)

''اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، اس نے جو نیکی کمائی اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے''۔

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ. (الانعام: ۱۱۹)

''حالانکہ اس نے تمہارے لئے ان (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کر دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں، سوائے اس (صورت) کے کہ تم (محض جان بچانے کے لیے) ان (کے بقدرِ حاجت کھانے) کی طرف انتہائی مجبور ہو جاؤ (سو اب تم اپنی طرف سے اور چیزوں کو مزید حرام نہ ٹھہرایا کرو)''۔

اور یہی حال سنت نبوی کا ہے۔

رفع امتی الخطاء والنسیان وما استکرهوا علیه.

''میری امت کے لوگوں پر خطا بھول چوک اور جس بات پر وہ مجبور کئے جائیں، سب معاف ہیں''۔

اسلامی قانونِ سزا

اسلام کا قانون سزا۔۔۔ جو بظاہر سنگدلانہ اور سخت لگتا ہے۔۔۔ بھی کسی حد تک ان سزاؤں کو منجمد بنا دیتا ہے جو سابقہ دینی قوانین میں مروج تھیں۔ اسلامی قانون ان سزاؤں کو ایک قسم کی دھمکی آمیز ڈانٹ ڈپٹ میں بدل دیتا ہے کیونکہ اس میں کچھ ایسی شرائط اور ارکان ہیں جن کا اکٹھا ہو کر واقع ہونا بہت مشکل ہے۔ اگر ایک کمزور ترین رخنہ بھی شبہ کے نتیجہ میں دکھائی دے جائے تو مقررہ سزا ساقط ہو جائے گی تاکہ اس کی جگہ کوئی اور سزا لے لے جس کا تعلق اجتہاد سے ہو اور تعزیرات کے دائرے میں آتی ہو۔

''جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے سزائیں اٹھالیا کرو''۔ اگر کسی مسلمان کے لئے تم کو بچ نکلنے کی صورت نظر آ جائے تو اسے نجات پا لینے دو، اس لئے کہ حاکم وقت کا معاف کر دینے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے کہیں بہتر ہے۔

فقہ اسلامی کی تحریک رکنے کے بعد سے انسانیت اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں جس قانونی اور فلسفیانہ ارتقاء سے گزری ہے وہ اسلامی قانون کے اس نقطہ ہدایت کی نہ صرف تائید کرتا ہے بلکہ اسے آگے بڑھاتا اور نئی نئی زرخیز تجزیاتی صورتیں بھی فراہم کرتا ہے۔ آج کی دنیا میں دین کے لئے معاشرتی، نفسیاتی، دستوری اور قانونی تحقیقات بھی معاونت مہیا کرتی ہیں۔ یہ معلومات و تحقیقات اسلامی عدل کے قیام میں مدد دے سکتی ہیں جو جزیرہ عرب کی فطری سادہ فضا اور ماحول میں ہمارے بزرگوں کو میسر نہ تھیں بلکہ ہمارے اسلاف کے دوسرے ماحول اور فضا میں بھی انہیں یہ میسر نہ آ سکی تھیں۔ بس قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے بعض تجربات ہی میسر آ سکے تھے۔

تو یہ ہے وہ دین۔۔۔ جو عقل وضمیر کو زندگی بخشتا ہے۔ پھر انسانی قوتوں کو مطلقاً آزاد چھوڑ دیتا ہے

تاکہ وہ اپنا کام کرسکیں اور فطرت کی قوتیں تو انسان کے لئے پہلے ہی مسخر کردی گئی ہیں۔

’’پس جب نماز ختم ہوجائے تو زمین میں پھیل جایا کرو۔ اللہ کا فضل اور نعمت تلاش کیا کرو اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہوسکو‘‘۔

یہ دین تو نفوس انسانی میں خضوع وخشوع کی عادتوں کو اس قدر بلند کردیتا ہے کہ ان سے انسانی ہوا و ہوس کی اطاعت کے لئے کام نہ لیا جاسکے۔۔۔ یہ دین انسانیت کو شکستگی و کمزوری اور گھمنڈ میں مبتلا ہونے والی قوت سے بھی محفوظ کردیتا ہے کیونکہ وہ انہیں عقیدے کی پختہ رسی کے بندھن سے کس دیتا ہے۔۔۔ اب یہاں نہ تو مایوسی ہے اور نہ اترانا۔

’’تاکہ تم مافات پر غمگین نہ ہو اور جو اس نے دے دیا ہے اس پر خوشی سے اتراؤ بھی نہیں‘‘۔

یہ دین تو خوف و امید کے تمام انسانی احساسات کو ایک ایسی ہستی کی طرف پھیر دیتا ہے جو حق کے بغیر اس قوت کے باعث اکڑفوں نہیں دکھاتا کیونکہ وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

دین اسلام۔۔۔ جیسا کہ اسے اس نے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا ہے ایک ایسا سرچشمہ ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں اور ایک ایسا منبع ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ اسلام تو ایک مثبت قسم کی راہداری اور محافظ ہے۔ جو زندگی کی منفی قوتوں کا مقابلہ کرتا ہے اور ان انگیختوں سے زندگی کو بچاتا ہے جو کسی نقص یا کمی کی تلافی اور شخصیت کے بحران کی تشفی کے لئے اٹھ کر زندگی کا خاتمہ کرنا چاہتی ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِکْرِ اللّٰهِ ط اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (الرعد:۲۸)

’’جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے‘‘۔

دین اسلام کو اگر لوگ اس طرح سیکھیں جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو پھر وہ سب سے پہلے عقیدے سے آغاز کریں گے کیونکہ یہی عقیدہ اصل بنیاد ہے۔ اگر وہ اسے قبول کرلیں تو پھر وہ شعائر کی ادائیگی سے فائدہ بھی اٹھاسکیں گے اور قوانین و آداب کے عادی و مطیع بھی بن جائیں گے۔ یہ عقیدہ ہی ہے جو جذبہ و وجدان کی جڑوں میں فکر روح اور رویہ سلوک کے اخلاق کی تعمیر کرتا ہے اور اسلام میں تو عقیدے کا آغاز ہی علم و معرفت سے ہوتا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (العلق: ۱)

’’(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا‘‘۔

مگر ہم جب دین سیکھتے ہیں یا سکھاتے ہیں تو وہاں سے شروع کرتے ہیں جہاں پر وحی الٰہی مکمل ہوئی تھی۔۔۔ ہم شعائر سے شروع کرتے ہیں جہاں فرضیت معراج کی رات تک ملتوی رہی تھی۔۔۔ یا ہم ان آیات قوانین سے شروع کرتے ہیں جو ہجرت کے بعد ہی نازل ہوئی تھیں۔ چنانچہ نہ تو ہمارے افکار کو راہیں ملتی ہیں اور نہ اصول ہمارے دلوں کے ساتھ مناسبت پیدا کرتے ہیں۔ یوں ہمیں کئی دیواریں، شکلیں اور الفاظ آگے بڑھنے سے روکتے ہیں۔ یا تو یہ ہے کہ ہم انہیں فنا کردیں اور اس کے ساتھ دین کو بھی فنا کردیں اور یا پھر ذلت کے ساتھ ان کے اندر مقید ہوجائیں۔

ہمیں دین سے زندگی کی قوت متحرکہ حاصل کرنی چاہئے اور پھر اس قوت کے ساتھ حقائق زندگی کے معرکے میں اترنا چاہئے اور پھر بیسویں صدی کے افکار کے ذریعے ایک ایسا اسلامی تمدن پیدا کرنا چاہئے جو اس بیسویں صدی ہی کے لئے ہو۔

ترکی میں تحریکِ احیائے اسلام

مذہبی کارکنان کیلئے ایک دلچسپ تاریخی مطالعہ

بدیع الزماں سعید نورسی کی حیات و خدمات کے تسلسل میں۔ تیسری قسط

ڈاکٹر علی اکبر الازہری

(قسط: 3)

زیرِ نظر مضمون کی پہلی قسط میں ہم نے اسلامی ملک ترکی کی تاریخی اور جغرافی اہمیت کے کچھ پہلو بیان کئے تھے۔ دوسری قسط ترکی کے اسلام کی طرف لوٹنے میں اہم کردار ادا کرنے والی شخصیت حضرت بدیع الزماں سعید نورسی کی حیات و خدمات پر مشتمل تھی جس میں آپ نے اُن کے استنبول میں دو سالہ قیام کے دوران کئے گئے اقدامات اور ان کے اثرات کا مطالعہ کیا۔ آیئے اس حوالے سے بات کو مزید آگے بڑھاتے ہیں۔

شیخ الازھر کا اعتراف

قیام استنبول کے دو سالہ ہنگامہ آراء زندگی میں استاذ نورسی نے عثمانی حکومت کے شیخ الاسلام کے فتوؤں کو چیلنج کیا جو مصلحت پر مبنی ہوتے تھے اور ان میں اسلام کی حقیقی روح کارفرما نہیں ہوتی تھی۔ سعید نورسی نے عالم شباب میں خواص وعوام کے دلوں میں اتنا مقام و مرتبہ بنا لیا تھا کہ ان کا چیلنج کیا ہوا فتویٰ خود بہ خود بے وقعت ہو جاتا تھا۔ یہ صورتِ حال خلافت عثمانیہ کے لئے کافی مشکل ہوگئی تھی۔ انہوں نے بالآخر ایک مرتبہ شیخ الازھر محمد بخیت بن حسین المطیعی (جو مصر کے مفتی اعظم بھی رہ چکے تھے) کو دعوت دی کہ وہ اس جوان عالم دین سے آکر بات کریں۔ حسب پروگرام ایا صوفیہ کی مسجد میں نماز کے بعد مناظرے کا وقت طے کیا گیا۔ استاد نورسی حسب معمول اطمینان وسکون کے ساتھ خالی ہاتھ شیخ الازہر کو ملے۔ اس موقع پر استنبول کے درجنوں علماء بھی موجود تھے۔ شیخ نے نورسی صاحب سے شیخ الاسلام کی مخالفت کی وجہ پوچھی تو انہوں نے مختصر الفاظ میں یوں وضاحت کر دی۔

”حکومت عثمانیہ اس وقت مغربی اثر ونفوذ سے حاملہ ہو چکی ہے اور کسی بھی وقت اسکے پیٹ سے یورپی طرز کی حکومت جنم لے سکتی ہے۔ اسی طرح یورپ کے پیٹ میں بھی اسلام پرورش پا رہا ہے اور کچھ دیر کے بعد وہاں بھی اسلامی طرز کی حکومت کا جنم ہوگا“۔

یہ اتنا جامع اور حال و مستقبل کی حقیقتوں سے قریب تر جواب تھا کہ شیخ الازھر نے اعلان کر دیا ”میں اس نوجوان کے ساتھ کوئی مناظرہ اور سوال و جواب نہیں کروں گا کیونکہ یہ اپنے فکر و خیال میں واضح اور حق پر ہے۔

”استاد نورسی کا تجزیہ سو فیصد صحیح تھا کیونکہ اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کے خاتمے کا اعلان کر کے سیکولر حکومت کا اعلان کر دیا۔ جہاں تک یورپ میں اسلامی حکومت کی پیشین گوئی کا تعلق ہے تو اس کے آثار کئی مقامات پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ خود یورپی ادارے اور حکومتیں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی اور اثر ونفوذ سے گھبرائے ہوئے ہیں۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اس دو سالہ ھنگامہ خیز قیام استنبول نے استاذ نورسی کی آئندہ کوششوں کو نئی زندگی اور نئی سمت دی۔ وہ جس تعلیمی انقلاب کی امنگ لے کر یہاں آئے تھے۔ اس کی طرف اب انہوں نے خود ہی توجہ دینا تھی کیونکہ قصرِ خلافت

میں موجود خلیفہ اور اس کے کارندے روائتی سیاست میں مگن تھے اور محلاتی سازشیں زوروں پر تھیں۔ نورسی صاحب نے ان دو سالوں میں یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ حکومت خود چراغِ آخر سحر ہے۔ اب جو کرنا ہے میں نے خود ہی کرنا ہے۔ اس لئے انہوں نے استنبول سے مشرقی ترکی کے علاقے ''وان'' میں جانے کا قصد کرلیا۔ انہوں نے استنبول سے جاتے ہوئے ایک خوبصورت بیان قلمبند کروایا جس کے الفاظ یہ تھے:

''اے معظم استنبول! میں نے تجھ میں مساوات اور عظمت بھی دیکھی اور استبداد بھی۔ میں یہاں تعلیمی درس گاہ کی خواہش لے کر آیا مگر مجھے پاگل خانے میں بھیج دیا گیا۔ میں نے یہاں کے ادیب بھی دیکھے، جہاں تک میں ادیب کا مطلب سمجھتا ہوں وہ باادب لوگ ہوتے ہیں۔ اخبار، افکار کی تربیت کرتے ہیں مگر یہاں یہ سارا معاملہ الٹ ہے۔ اخبارات سنسنی خیزی اور بدنیتی کے فروغ میں لگے ہوئے ہیں جبکہ ادیب بے ادب ہو چکے ہیں۔ اگر صحافت اور ادب یہی کچھ ہے تو گواہ رہنا میں اس سے باز آیا۔ اب میں ان اخبارات کی بجائے مشرقی پہاڑوں پر بیٹھ کر کائنات اور انسان کا مطالعہ کروں گا۔ ہمارے فیض کی فضاء تمناؤں کی لعنت سے پاک ہے۔ ہمیں ہر طرف سے استغناء کا سبق پڑھایا گیا ہے۔ ہم ایسے مجنوں ہیں جو وصالِ لیلیٰ سے بھی مستغنی ہیں۔''

ان یادگار کلمات کے ساتھ انہوں نے شہروں کے سردار استنبول سے واپسی کا ارادہ کیا اور ''وان'' جاتے ہوئے ایک جگہ ''طفلس'' رک کر ''جامعہ فاطمۃ الزھراء'' کے لئے مناسب جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ ''وان'' میں ان کے عقیدت مند کثیر تعداد میں موجود تھے۔ آپ نے وہاں دوبارہ عوام کی اصلاح اور تعلیم و تربیت کا کام زور و شور سے شروع کردیا۔ اس دوران علماء سے بحث مباحثے، مذاکرے، دروس اور سوال و جواب کی بھرپور مجالس سجتی رہیں۔ ان دروس اور جوابات میں بیان کی گئی تعلیمات پر مشتمل ان کی دو کتب بھی مرتب کر لی گئیں۔ جن میں سے ایک کا نام ''صیقل الاسلام'' اور دوسری ''نسخۂ اکراد'' ہے۔

مسجد اموی کے منبر پر

۱۹۱۱ء کے ابتدائی مہینوں میں نورسی صاحب نے مشرقی ترکی کی سیاحت اور دعوت و تبلیغ کی مصروفیات کے بعد شام کا سفر اختیار کیا۔ دمشق کے عرب علماء اور دانشوروں سے خصوصی ملاقاتیں اور بحث مباحثوں کے بعد انہوں نے تھوڑے وقت میں وہاں بھی اپنے چاہنے والوں کا اچھا خاصا حلقہ پیدا کر لیا۔ اس قیام کے دوران ایک دن انہوں نے لوگوں کی خواہش پر جامعہ مسجد اموی میں علماء اور عوام الناس سے تاریخی خطاب کیا جو ''خطبہ شامیہ'' کے نام سے اب چھپ چکا ہے۔ اس خطاب میں سینکڑوں علماء اور ہزاروں عوام موجود تھے۔ خطاب عربی زبان میں ہوا اور اس میں امت کو لاحق چھ امراض کی بڑے ہی حکیمانہ انداز میں نشاندہی کی گئی۔ نوجوان نورسی کا خطاب اتنا پر اثر اور جامع تھا کہ چند دنوں میں اسے کئی مرتبہ چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔ اس تاریخی خطبے کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

☆ ''میں نے اس وقت اس سرزمین پر انسانوں کی اجتماعی زندگی کے مدرسے میں سبق حاصل کیا اور مجھے پتہ چلا کہ غیر لوگوں یعنی یورپی قوموں نے جو ترقی کی دوڑ میں مستقبل کی طرف پرواز کرتے ہوئے مادی میدان میں آگے بڑھ رہے ہیں اور ہمیں زمانہ وسطی میں روک رکھا ہے اس کا سبب چھ بیماریاں ہیں: جو جسدِ امت کو لاحق ہوچکی ہیں۔

☆ پہلی بیماری یہ ہے کہ ہمارے اندر یاس اور ناامیدی جنم لے چکی ہے۔

☆ دوسری بیماری یہ ہے کہ امت کے افراد میں مجموعی طور پر سچ کی موت واقع ہوچکی ہے۔ یعنی صدق و اخلاص کا فقدان ہے۔

☆ تیسری یہ کہ ہم نے دشمنی سے محبت کرلی ہے۔ مراد یہ کہ باہمی معاملات طے کرتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان جو مودّت اور جذبۂ اخوت ہونا چاہئے اس کی جگہ عداوت اور بغض نے لے لی ہے۔

☆ چوتھی بیماری یہ ہے کہ اہل ایمان کو ایک دوسرے سے متحد و منسلک رکھنے والے ایمانی رابطوں سے مسلمانوں میں لاعلمی پیدا ہوچکی ہے۔

☆ پانچویں بیماری یہ ہے کہ قسم قسم کی وبائی امراض کی طرح پھیلنے والا ظلم وستم عام ہو چکا ہے اور

☆ چھٹی بیماری یہ ہے کہ ہم نے اپنی ترجیحات میں اپنا ذاتی مفاد پہلے رکھ لیا ہے اور قوم و ملت کی خاطر قربانی کا جذبہ کم ہوگیا ہے۔

☆ ''مستقبل صرف اور صرف اسلام کا ہوگا۔''

☆ ''اگر ہم اپنے اعمال میں اسلامی اخلاق اور ایمانی حقائق کے کمالات کا مظاہرہ کریں تو مختلف مذاہب کے پیروکاروں کا اپنی جماعتوں سمیت اسلام میں شامل ہو جانا یقینی ہے۔''

☆ ''ہم مسلمان، جو شاگردانِ قرآن ہیں، دلائل کے تابع ہوتے ہیں۔ ہم عقل، سوچ اور دل سے ایمان کی حقیقتوں میں شامل ہوتے ہیں۔ ہم دوسرے مذاہب کے بعض افراد کی طرح اپنے مذہبی رہنماؤں کی خاطر دلائل کو رد نہیں کردیتے''۔

☆ ''مایوسی قوموں اور ملتوں کی سب سے خوفناک بیماری ہے جو قومی کینسر کہلاتی ہے۔''

☆ ''جی ہاں، سچائی اور درستگی اسلام میں اجتماعی زندگی کی روح رواں ہے۔ محبت کے لائق بس محبت ہی ہے اور دشمنی کے لائق صرف دشمنی''۔

33 سالہ سعید نورسی نے جن امراض امت کی تشخیص کی ساتھ ہی قرآن حکیم سے ان کا علاج بھی تجویز کیا۔ یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ایک صدی بعد آج بھی یہی بیماریاں ہمارے اجتماعی وجود کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں بلکہ ان میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ افاقہ نہیں ہوسکا۔ اس لئے کہ تاحال امت نے اس یقین اور ایمان کی قوت سے قرآن کی طرف رجوع نہیں کیا جو اسے ایمانی بلندیوں سے ہمکنار کرسکتا تھا۔

درس گاہ کے قیام کی ایک اور کاوش

اسی سال 1911ء میں استاد نورسی دمشق سے بیروت کے راستے استنبول روانہ ہوئے۔ استنبول میں اب تخت خلافت پر سلطان رشاد متمکن تھا۔ نورسی اپنے قریبی دوستوں کے ذریعے سلطان سے ملے۔ سلطان نے نہ صرف قدر افزائی کی بلکہ مملکت عثمانیہ کے یورپی علاقوں کے دورے پر اپنے ساتھ رکھا۔ سلطان نے کسووُو میں ایک یونیورسٹی کی منظوری دی تھی مگر وہاں جنگ عظیم سے قبل ہونے والی بلقان کی جنگ شروع ہونے کی وجہ سے یہ منصوبہ التواء میں پڑ گیا، چنانچہ سعید نورسی نے سلطان سے وہی بجٹ مشرقی ترکی میں زیرغور یونیورسٹی کے لئے مختص کروالیا۔ سعید نورسی نے اپنی پسندیدہ جگہ وان میں اپنی خوابوں کی تعبیر کے طور پر یونیورسٹی کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا تھا کہ پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوگیا اور یہ تعلیمی پروگرام بھی لاکھوں انسانوں کی طرح جنگی شعلوں کی نذر ہوگیا۔

جہاد میں عملی شمولیت مگر بغاوت سے پرہیز

یہ بڑی دلچسپ اور ایمان افروز بات ہے کہ سعید نورسی جیسا عملی شخص ایک طرف دشمنان اسلام کے خلاف عملی جہاد میں محاذ جنگ پر نظر آتا ہے لیکن جب عثمانی حکومت کی بعض بے اعتدالیوں اور خلاف شریعت امور کی سرپرستی کرنے والے امراءِ سلطنت کے خلاف برگزیدہ مشائخ و علماء نے انہیں آمادۂ بغاوت کرنا چاہا تو انہوں نے صاف انکار کردیا۔ اس انکار سے اس وقت کی مذہبی قیادت نورسی صاحب سے ناراض بھی رہی لیکن انہوں نے کہا میں ایسے مسلمان لشکریوں کے خلاف کیسے صف آراء ہوسکتا ہوں جن میں لاکھوں لوگوں کا نصیب شہادت کی موت ہے۔ بعد ازاں جب جنگ عظیم اول بپا ہوئی تو وہی مسلمان فوج دشمنوں کے خلاف صف آراء ہوئی اور کئی لاکھ فوجی شہید ہوئے۔ یوں نورسی صاحب کا قول سچ ثابت ہوا۔ جن لوگوں نے ناراض ہوکر بغاوت کا راستہ اپنایا وہ خود بھی اور ان کے ہاتھوں کئی مسلمان اس بے نتیجہ جنگ میں ہلاک ہوئے۔

ایک طرف تو نورسی اسلام کی علمی، روحانی اور

تربیتی خدمت میں مصروفِ عمل تھے مگر جب روس نے مشرقی ترکی پر تینوں اطراف سے حملہ کردیا اور مسلمان علاقوں میں شدید بے چینی اور اضطراب پھیل گیا تو نورسی درس و تدریس اور قلم و قرطاس کی دنیا سے نکل کر میدان جہاد میں آ کر کھڑے ہوگئے۔ انہیں عثمانی سلطنت کے کمانڈران چیف انور پاشا نے مشرقی ترکی میں خصوصی فوجی ملیشیا تیار کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ نورسی نے حسب عادت پوری جانفشانی اور محنت کے ساتھ ہزاروں رضا کار مجاہدوں کے دستے تیار کئے۔ ان کو خصوصی تربیت دی اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ جہادی دستے مسلمان علاقوں کی دفاع کے لئے محاذ جنگ پر سرکاری فوجوں کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہوگئے۔ ان کی خصوصی وردی تھی اور دشمن کی فوجوں پر اس ملیشیا کا اس قدر رعب تھا کہ اس وردی میں کسی کو بھی دیکھتے تو ان کی دوڑیں لگ جاتیں۔ چنانچہ محاذ جنگ پر دشمنوں کو روک کر ایک طرف ان فوجی دستوں نے مسلمان لوگوں کو اطمینان کے ساتھ نقل مکانی کا موقع دیا اور دوسری طرف دشمن کو شدید مزاحمت کا احساس ہوا اور مسلمان قتل عام سے حتی الامکان بچ گئے۔

تیغ اور قلم کی یکجائی

اس جنگ کی نورسی صاحب سے متعلق بہت دلچسپ تفصیلات ہیں جو حیران کن بھی ہیں اور قابل رشک بھی مثلاً اس دو سالہ دور جہاد میں جب نورسی ان حساس ترین فوجی دستوں کی تربیت اور نگرانی کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے اور دن رات دشمنوں کی توپوں کا سامنا کررہے تھے ان لمحات میں بھی وہ اپنے اصلی علمی مشن سے دور نہیں ہوئے۔ اس حربی زندگی میں جو وقت بھی فرصت کا ملتا اس میں غور و فکر کے نتائج کو ضرور قلمبند کرواتے۔ ان کے ساتھ ایک صاحب علم شاگرد ''ملا حبیب'' اسی محاذ جنگ میں ان کا خصوصی معاون تھا۔ اس کے تعاون سے اس دوران جو کچھ تحریر کیا وہ بعد میں ایک بہت ہی اہم کتاب ''اشارات الاعجاز'' کی شکل میں طبع ہوچکا ہے۔ یہ کتاب حیران کن قرآنی تفسیر ہے اور فی الحقیقت اعجاز قرآنی کا ایک نادر نمونہ ہے مگر اسکے مصنف نے اس کتاب کو نہ آرام دہ ماحول اور نہ کسی وسیع و عریض کتب خانے میں بیٹھ کر لکھا ہے بلکہ ایک جواں سال سپہ سالار کے طور پر ایسے محاذِ جنگ پر دشمنوں سے لڑائی کے دوران مرتب کیا ہے جس میں ان کے بے شمار طلباء اور ساتھی ان کی آنکھوں کے سامنے جارح دشمن کے گولوں سے شہید ہوئے۔ خود استاد نورسی کو تین عدد گولے جسم کے مختلف حصوں کو چھو کر گزرے مگر موت کے اس رقص میں نہ صرف انہوں نے اپنے جہادی فریضے کو ایک بہادر، دانشور اور پھرتیلے کمانڈر کے طور پر نبھایا بلکہ دفاعِ وطن کے ساتھ ذہن رساء تخلیق و تفکیر کے عمل سے گزرتے رہے۔ یوں استاد نورسی نے ثابت کردیا کہ علمی، اجتہادی کاوشیں اور مسلح عملی جہاد ایک ہی وقت ممکن ہے۔

دوسرا اہم پیغام یہ ہے کہ انسان کو احساس ذمہ داری ہو اور زندگی بامقصد ہو تو مشکل سے مشکل حالات میں بھی کام کرنا ممکن ہوجاتا ہے اصل قوتِ عمل انسان کا احساس ہے۔ حساس ترین ملکی دفاعی ضرورتیں، مسلح دشمن کا سخت مقابلہ اور پھر دن رات گھوڑے کی پیٹھ پر یا مسلسل پیدل سفر کرتے ہوئے عام انسان اپنی جان ہی بچالے تو بڑی بات ہے خصوصاً ایسے حالات میں جب رفقاء کار اور تلامذہ کی بڑی تعداد ہر روز شہادت سے ہمکنار ہوتی تھی۔ ان لمحات میں بھی تفکیر، دعوت اور قرآن میں غور و فکر کا عمل جاری رکھنا اور کئی سو صفحات پر پھیلا ہوا تفسیری مواد تخلیق کر لینا یہ عام انسانی استعداد سے باہر ہے۔ ''یہ انہی کے کام ہیں جن کے حوصلے ہیں زیادٗ''۔ نورسی صاحب کی زندگی کا یہ دلچسپ پہلو ہمیں تاریخ اسلام کے مجاہدین اور داعین کی زندگیوں میں یکجا طور پر کہیں نہیں ملا۔

جنگ عظیم اول اور سعید نورسی

جیسا کہ ہم گذشتہ قسط میں ذکر کرآئے ہیں کہ

سعید نورسی کو جنگ عظیم اول شروع ہونے سے پہلے خواب میں دنیا کو ایک بہت بڑے دھماکے سے تباہ ہوتے ہوئے دکھایا گیا اور ساتھ ہی انہیں قرآن کے معجزانہ پہلو کو پھیلانے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے طور پر ایک عملی اور بہادر انسان کی طرح جنگ کی تیاریاں بھی شروع کردی تھیں، جن میں ان نوجوانوں کی بھرتی اور عسکری تربیت کا اہتمام تھا جس کا ذکر اوپر ہوا۔

چنانچہ جنگ عظیم اول میں روسی فوجوں کے خلاف ڈٹ جانے والے سعید نورسی ایک بہادر سپہ سالار کی طرح ترکی کی مشرقی سرحدوں کا دفاع کررہے تھے۔ دوران لڑائی ایک علاقے میں چند رضا کاروں کے ہمراہ چاروں طرف سے گھیرے میں آگئے، جو گولا بارود تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔ (نورسی صاحب نے رات کے اندھیرے میں ایک بلند دیوار سے چھلانگ لگائی تھی جس سے ان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور گولیوں سے زخمی بھی ہوئے) اسی لئے اب جان بچانا فرض تھا لہذا دشمن کو اپنے ایک دوست کے ذریعے اطلاع دی اور جنگی قیدی کے طور پر روسی افواج انہیں وہاں سے اپنے کیمپ میں لے گئیں۔ دشمن ان کی غیر معمولی شخصیت اور علاقے میں اثر و رسوخ سے آگاہ تھے۔ اس لئے قید کے دوران ان سے ایک مرتبہ اس شرط کے ساتھ رہائی کی پیشکش بھی ہوئی کہ وہ علاقے کے دیگر ''غدّار سرداروں'' کی طرح عثمانی حکومت کے خلاف حملہ آور فوجوں کا ساتھ دیں گے۔ مگر نورسی جیسا شخص ایسے ملت فروش معائدوں کے جال میں کب آنے والا تھا۔ انہوں نے اس قید کو بھی اپنے اعصاب پر سوار نہیں کیا تاہم وہ اکثر ان یخ بستہ طویل راتوں کی تنہائیوں کے کربناک لمحوں کو یاد کرتے تھے اور اعتراف کرتے تھے کہ جنگ عظیم کی تباہیاں اور ہلاکتیں ایسے تھیں جن کا تصور ہی انسان کو بوڑھا بنانے کے لئے کافی ہے۔ اس دوران بھی انہوں نے عمل دعوت و تربیت ترک نہیں کیا۔ وہ جہاں جہاں جاتے رہے اپنے حلقے میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ قید خانوں میں مساجد اور مدارس کی تعمیر کرواتے رہے۔ بطور بریگیڈ کمانڈر انہیں دوران قید ''انجمن ھلال احمر'' کی طرف سے جو وظیفہ ملتا تھا اس کا زیادہ حصہ ایسی ہی دینی سرگرمیوں میں لگادیتے تھے۔

۔۔۔اور ایمان نے موت کو بھی شکست دے دی

اِسی ڈھائی سالہ قید کے دوران وسطی روس میں سائبریا کے مقام ''کوسترما'' میں ایک نہایت دلچسپ اور ایمان افروز واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ جیل میں جہاں مختلف قومیتوں کے 90 قیدی آفیسرز ایک ہی بیرک میں رہتے تھے۔ ایک روز روسی کمانڈر انچیف ''نکولا نکو لاوَچ'' معمول کے راؤنڈ پر اس بیرک میں آیا۔ تمام قیدی آفیسرز کمانڈر انچیف کی آمد پر کھڑے ہوگئے مگر بدیع الزماں نے یہاں بھی انفرادیت برقرار رکھی اور اپنے خیالات میں مگن رہے۔ وہ دوسری مرتبہ خصوصی طور پر ان کے آگے سے گزرا مگر حسب سابق نورسی صاحب نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ اس پر اسے غصہ آگیا اور تیسری مرتبہ قریب آکر دھاڑنے لگا۔ ترجمان بلایا گیا اور دونوں کے درمیان دلچسپ مکالمہ ہوا۔ نورسی نے صاف اور مختصر الفاظ میں اسے بتایا کہ میں تمہیں جانتا ہوں اور مجھے آپ کے مرتبے کا بھی علم ہے مگر میں مسلمان عالم ہوں مجھے میری مقدس کتاب کی تعلیمات اور قوت ایمانی نے ایک غیر مسلم شخص کی تعظیم کی اجازت نہیں دی۔ چونکہ میں دل سے تمہاری تعظیم کرنے کو تیار نہیں اس لئے اٹھنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ روسی جنرل کو یہ بات سن کر غصہ آگیا۔ اس نے اس بیان کو اپنی، اپنی فوج کی اور روسی قوم کی توہین گردانتے ہوئے فوری طور پر کورٹ مارشل کا حکم دے دیا۔ بیرک میں موجود ترک جرمن اور آسٹریا کے افسروں نے فرداً فرداً نورسی صاحب کو درخواست کی کہ وہ جنرل سے معذرت کرکے معاملہ ختم کرلیں بصورت دیگر فوجی عدالت کا حکم تو واضح ہے کہ آپ کو شوٹ کردیا جائے گا۔ مضبوط تر مرتبہ ایمانی پر فائز

مرد مومن نورسی نے ان افسروں کو جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو۔

''میں موت سے کبھی نہیں ڈرا اس لئے کہ موت کا وقت مقرر ہے اور وہ حق ہے۔ میں تو موت کو اس لئے بھی گلے لگانے کو تیار ہوں کہ مر کر مجھے دامن مصطفی ﷺ میں پناہ مل سکے۔ اس شرف عظیم کے لئے ایک پاسپورٹ چاہئے اور وہ صرف اور صرف ایمان ہے اس لئے میں ایمان پر کسی قسم کا حرف آنے سے موت کو ترجیح دیتا ہوں''۔

یہ ایسا جواب تھا جس نے سب لوگوں کو خاموش کروادیا۔ وقت مقررہ پر فوجی عدالت لگی اور عینی گواہوں کے بقول فائرنگ سکواڈ بھی آ گیا۔

قارئین! ذرا چشم تصور میں اندازہ لگائیں یہ کس قدر دیدنی منظر ہوگا۔ پردیس میں ایک اکیلا شخص، دشمن کی قید اور اس ملک کے چیف کمانڈر کی گستاخی کا اعلانیہ اعتراف اور پھر دو قدم پر تختہ دار۔۔۔ لیکن نورسی نے تو یہ مناظر پہلے بھی دیکھے تھے وہ قبل ازیں بھی کئی مرتبہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ چکے تھے۔ آج ان کے ایمان کا ایک اور بڑا امتحان تھا۔ وہ مثلِ خلیلؑ عشق کے اس امتحان میں ڈالے گئے مگر عشق ہی کے فیض غیور نے انہیں یہاں بھی سرخرو کیا۔ فوجی عدالت نے نورسی صاحب کو موت کی سزا سنادی۔ اس عدالتی حکم پر عمل درآمد ہونے میں کوئی دیر نہیں تھی۔ سعید نورسی نے بڑے اطمینان سے عدالت کو مخاطب کرکے کہا کہ میرے مذہب کے مطابق میری عبادت کا وقت ہوچکا ہے اس لئے موت پر عمل درآمد کرنے سے قبل مجھے نماز کی ادائیگی کا وقت دیا جائے۔ عدالت نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے تسلی سے وضو کیا پھر قبلہ سمت منہ کرکے قادر مطلق کے حضور نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ نماز سے فارغ ہوکر حسب معمول تسبیحات پڑھیں اور اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھالئے۔ یہ سارا منظر کئی لوگوں کے علاوہ جنرل ''نکولاچ'' خود بھی دیکھ رہا تھا۔ نورسی صاحب کی آہِ رسا کا اثر تھا یا تقدیر نے اس کے دل کو بدل دیا تھا۔ وہ فوراً اپنی نشست سے اٹھا اس نے فائرنگ سکواڈ کو اشارے سے رک جانے کا حکم دیا اور سعید نورسی کی جائے نماز کے پاس جا کر یوں مخاطب ہوا۔

''مجھے معاف کردیں میں نے سوچا تھا کہ آپ نے میری حقارت میں یہ سب کچھ کیا مگر اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آپ اپنے مذہبی عقائد اور ایمان میں سچے ہیں اس لئے آپ نے واقعی اپنے ایمان کے باعث ایسا کیا ہے۔ آپ کے چہرے پر موجود اطمینان اور حیرت انگیز سکون اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ آپ اپنے مذہبی عقائد پر غیر معمولی یقین رکھتے ہیں''۔

یوں سعید نورسی کے مضبوط ایمانی جذبوں نے ایک مرتبہ پھر موت کو شکست دے دی اور جنرل کے حکم پر عدالت نے کیس داخل دفتر کردیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات نورسی صاحب خود اپنے بارے میں بیان بھی نہیں کرتے تھے۔ یہ واقعہ تیس سال بعد جنگی یادداشت کے طور پر کسی اور ترکی افسر نے اخبارات میں شائع کروایا جو اس وقت موقع پر موجود تھا۔ یاد رہے کہ انہوں نے اس قید خانے میں گزارے ہوئے وقت کی یادداشتوں کو ''لمحات'' کے نام سے مرتب بھی کیا تھا مگر وہاں بھی اس اہم واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ یہ واقعہ اخبارات میں چھپ گیا تو آپ نے اس کی تصدیق کردی۔ اس سے ان کے بلند مرتبہ استغنائے نفس کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔

قید سے رہائی کا عجیب واقعہ

اس قید خانے سے رہائی کا واقعہ بھی بہت ہی حیران کن ہے۔ انہوں نے خود لکھا ہے کہ ان طویل سرد برفانی راتوں میں میری درماندگی، میرا عجز اور بارگاہ الوہیت میں میری مناجات ہی میرا وسیلہ ہوا کرتی تھیں۔ جب میں رو رو کر اللہ کی بارگاہ میں اپنی درماندگی کو وسیلہ بنارہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی رہائی کے حیران کن انتظامات کروادیئے۔

ہوا یوں کہ ایک دن مجھے قید خانے میں ایک عربی لباس والا شخص ملا۔ اس نے مجھ سے مانوس لہجے میں گفتگو کی اور عربی میں پوچھا تم یہاں سے جانا چاہتے ہو۔

میں نے عرض کیا چاہتا تو ہوں مگر یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ وہ کہنے لگے اس کی فکر نہ کرو بس تم اتنا کرو کہ میں تمہیں اپنا یہ لباس دیتا ہوں اسے پہن کر قید خانے کی باہر والی دیوار کے قریب آجاؤ۔ میں نے ان کا دیا ہوا عربی لباس زیب تن کیا اور اللہ کا نام لے کر آرام سے تمام لوگوں کی موجودگی میں باہر نکل آیا۔ آرام سے ان کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا جہاں وہ موجود تھے اور ان کا لباس انہیں واپس لوٹا دیا۔ انہوں نے مجھے راستہ سمجھایا میں اس راستے پر کافی دیر چلتا رہا۔ پھر وسیع جنگل آگیا جہاں میرے لئے کسی سمت کا انتخاب کرنا مشکل ہوگیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔ ادھر ادھر دیکھا تو ایک گائے چرتی ہوئی دکھائی دی۔ میرے ذہن میں آیا کہ ضرور یہ گائے کسی بستی سے یہاں آئی ہوگی اس لئے میں نے اسے اپنا رہنما بنا کر ہانکنا شروع کردیا۔ گائے میرے آگے آگے چلتی رہی، خاصے دور جاکر یہ گائے کسی بستی میں جانے کی بجائے ایک پہاڑی غار میں اترنے لگی۔ ایک لمحے کے لئے تو میں رکا مگر اطمینان قلبی نے مجھے اس کے پیچھے غار میں اترنے کی تسلی کروادی۔ غار میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھے بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا۔ میرا نام پتہ، والدین اور خاندان کا تعارف پوچھا، شفقت فرماتے ہوئے اپنے پاس بٹھایا اور خود ہی فرمانے لگے تم خاصے دور سے چل کر آئے ہو تمہیں بھوک تو لگی ہوگی مگر میرے پاس تمہیں کھلانے کے لئے اس وقت کچھ نہیں، البتہ اس گائے کا دودھ تمہیں نکال دیتا ہوں، میں نے تازہ دودھ نوش جاں کیا۔ انہوں نے مجھے اگلے سفر کی رہنمائی فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ تمہیں اس سفر کی طرح آئندہ زندگی میں بھی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے ان مشکلات سے گھبرانا نہیں۔ میری تین نصیحتیں یاد رکھنا۔

۱۔ ہر جگہ بآوازِ بلند آذانِ محمدی ﷺ دیتے رہنا۔
۲۔ باجماعت نماز ادا کرنے کی کوشش کرنا۔
۳۔ قرآن کا درس اور معارف بیان کرنے میں غفلت نہ کرنا۔

نورسی فرماتے ہیں میں ان سے اجازت لے کر رخصت ہوگیا۔ وہ راستہ جو واقفانِ علاقہ بھی سالوں میں شاید طے نہ کرسکیں، میں کئی ملکوں سے ہوتا ہوا بڑے سکون آرام اورعزت کے ساتھ چند دنوں میں واپس استنبول آگیا۔

یہاں وہ اکثر و بیشتر ایسے واقعات اور بزرگانہ شفقتوں کو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف منسوب کرتے چلے آئے ہیں۔ بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر بچپن میں کھیلتے ہوئے میرا کھلونا بھی گم ہوجاتا تو میں فوراً شیخ جیلانیؒ کے لئے فاتحہ پڑھتا اور اللہ تعالیٰ میرا کام کردیتے۔ چنانچہ اس حیران کن رہائی میں بھی وہ بزرگان دین خصوصاً حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی روحانی توجہات کو ہی بنیادی سبب گردانتے ہیں۔

اعصاب شکن سیاسی تغیرات اور باطنی انقلاب

اس قید سے رہائی پاکر جب نورسی تیسری مرتبہ استنبول پہنچے تو اس بار وہ عالم جلیل کے ساتھ ساتھ ایک غازی، شیر دل مجاہد کمانڈر اور بہادر سپہ سالار کی حیثیت سے بھی پہچانے گئے۔ اخبارات میں خبریں شائع ہوتے ہی شاہی انتظامات کے تحت استقبال اور پذیرائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اب وہ استنبول بھی نہیں رہا تھا، اس کی عالمی مرکزیت کو ظالم استعمار نے ختم کرنے کی آخری کاوش کو بھی حتمی شکل دے دی تھی۔ خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوچکے تھے اس عالمی خلافت کے مرکز پر برطانوی سامراج کا سکہ چلنا شروع ہوگیا تھا۔ خلافت اگرچہ حقیقی معنویت تو کھوچکی تھی مگر اسکا انتظامی ڈھانچہ ابھی تک موجود تھا۔ اس خلافت کا سب سے مرکزی شعبہ ''شیخ الاسلام'' کا دفتر تھا۔ یہی وجہ ہے نورسی کو ان کے اعلیٰ عہدیدار دوستوں نے شیخ الاسلام کے اسی سرکاری دفتر ''دارالحکمت اسلامیہ'' میں سب سے اعلیٰ عہدے پر متعین کروادیا جہاں وہ آزادی کے ساتھ اپنے علمی اور تحریری ذوق کی تسکین بھی کررہے تھے اور طبیعت کے عین مطابق اسلامی نظریات و روایات کی حفاظت کا

فریضہ بھی سرانجام دے رہے تھے۔ مگر نورسی جیسا بطل جلیل ایسے اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز رہنے کو اپنے سفر جنوں کی توہین سمجھتا تھا۔ گویا وہ اقبال کا وہ شاہین تھا جس کی جائے قرار قصر سلطانی کی بجائے آزاد فضائیں تھیں۔

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

وہ کئی بار اس ملازمت نما ذمہ داری کو چھوڑ کر بھاگے مگر مخلص دوستوں نے اس ذمہ داری کو قومی خدمت کا اہم ترین موقع قرار دے کر آپ کو روکے رکھا۔ چنانچہ انگریزوں کے اثر و رسوخ کے اس دور میں انہوں نے ڈٹ کر ان کے دین دشمن عزائم کا مقابلہ کیا۔ عالم اسلام کے ساتھ سقوط خلافت کا سانحہ تو پیش آ ہی چکا تھا اور عثمانی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوچکے تھے۔ ترکی، جرمنی کا ساتھ دینے کی پاداش میں برطانیہ کا مرکزی مجرم قرار دیا جاچکا تھا۔ ترکی کے اندر بھی بغاوتیں سر اٹھا رہی تھیں اور بیرونی سرحدوں سے غیر ملکی دباؤ بھی بڑھ رہا تھا۔ نورسی آئینہ ایام میں آئندہ کی تصویر واضح طور پر دیکھ رہے تھے اس لئے انہوں نے خود کو نئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے نئے سرے سے تیار کرنا شروع کردیا۔

سب سے پہلے انہوں نے اپنی پرانی تحریریں پرنٹ کروانا شروع کیں۔ انہیں حکومت کی طرف سے سرکاری خدمات کے عوض جو تنخواہ ملتی تھی اس میں سے ایک عام آدمی جتنا اپنی ذات پر خرچ کرتے اور باقی رقم کتب کی طباعت و کتابت پر لگادیتے۔ اس میں وہ اس قدر احتیاط فرماتے کہ ان کے ساتھ ذاتی معاون کے طور پر فرائض سرانجام دینے والا ان کا حقیقی بھتیجا عبدالرحمن ایک مرتبہ منت سماجت کرتا رہ گیا کہ جنگ میں ہمارا آبائی گھر مسمار ہوچکا ہے اس رقم سے اگر ہم وہ گھر مرمت کرلیں گے تو کون سا گناہ ہوگا۔ سعید نورسی نے بھتیجے کو سمجھایا ''بیٹے یہ رقم میرے پاس امت کی امانت ہے اس لئے میں اسے اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لگاسکتا۔ رہا گھر تو ان شاء اللہ ترکی کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سب گھر ہمارے ہوں گے''۔

بالآخر نورسی کی خود دار، آزاد منش اور غیور طبیعت اس سرکاری عہدے سے اچاٹ ہوگئی۔ اس کا سبب وہ خود ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''اس زمانے میں سلطان سے لے کر مدرسہ کے طلباء تک سب لوگ میری نہایت عزت افزائی کرتے تھے۔ اس سرکاری عہدے اور عزت افزائی کے ساتھ میری جوانی کی سرمستی بھی ایک عنصر تھی، میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے اصلی سفر اور منزل سے دور نکل رہا ہوں، میرے اندر غفلت کی نیند گہری ہورہی تھی اور میں خود کو فانی دنیا کے ساتھ چپکا ہوا انسان تصور کرنے لگا تھا۔ اس خود احتسابی نے مجھے روحانی اضطراب میں مبتلاء کردیا''۔

یہ نورسی صاحب کے باطنی احوال اضطراب تھے۔ ادھر بچے کھچے ترکی پر غیروں کی نظریں گڑھ چکی تھیں اور یہود و نصاریٰ اس کو دوسرا روم بنانے کی تیاریاں مکمل کرچکے تھے۔ ترکی میں کئی قسم کی خفیہ ایجنسیاں ابلیسی مشن میں مصروف تھیں۔ ان داخلی اور خارجی کاوشوں کا بڑا نشانہ ظاہر ہے دین اسلام ہی تھا۔ خلافت ختم کرنے کے بعد دین دشمن قوتوں نے اسلام کے شاندار تاریخی آثار کو براہ راست نشانہ بنانا شروع کردیا تھا۔ مذہبی اقدار، روایات اور تعلیمات پر طعن زنی کا آغاز ہوگیا تھا۔ جسے بعد میں مصطفیٰ کمال نے نقطۂ کمال تک پہنچا کر دم لیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ استنبول میں نورسی صاحب کے باطنی احوال کی طرح سیاسی احوال میں بھی شدید اضطراب اور ہلچل بپا ہوچکی تھی۔ عثمانی دور خلافت آخری سانسیں لے رہا تھا۔ خلیفہ کو شیخ الاسلام کے دفتر تک محدود کردیا گیا تھا۔ استنبول پر برطانوی استعمار کی خونی نظریں مرتکز تھیں۔

ایک طرف اسلامی سلطنت سمٹ چکی تھی اور ہزار سالہ دور اسلام کے نقوش پر سیکولر ازم کی دھول جمنا شروع ہوگئی تھی تو دوسری طرف قدرت اس دور ظلمات میں اس بندہ خاص کو خصوصی فیوضات سے نواز کر آئندہ انسانی قافلوں کے لئے چراغ راہ بنارہی تھی۔

کارکنان متوجہ ہوں! مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے زیر اہتمام آل پاکستان "بیدارئ شعور طلبہ اجتماع" میں تحریک منہاج القرآن کے جملہ عہدیداران، کارکنان اور وابستگان اپنے 15 سال سے زائد عمر کے بیٹوں کی شرکت کو لازمی بنائیں تاکہ نوجوان نسل تک بیدارئ شعور کے پیغام کو کماحقہ پہنچاتے ہوئے تعمیر پاکستان میں اہم کردار ادا کیا جاسکے۔ (ناظم اعلیٰ)

عالم اسلام پر ٹوٹنے والے غموں کے پہاڑ ہر حساس انسان کو پریشان کررہے تھے مگر استاد نورسی کا گہرا احساس ملاحظہ کریں۔ وہ لکھتے ہیں:

"میں اپنے سارے غم برداشت کرتا ہی رہا ہوں لیکن جو غم اہلِ اسلام نے اٹھائے ہیں اُن کی وجہ سے مجھے جو رنج و غم پہنچے ہیں انہوں نے تو مجھے پیس کر رکھ دیا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے عالم اسلام پر لگنے والی چوٹیں سب سے پہلے میرے دل پر آکر لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس قدر پس چکا ہوں۔ مگر مجھے روشنی کی ایک کرن دکھائی دے رہی ہے جو ان شاء اللہ میرے سارے غم بھلادے گی"۔

ان کے ایک سیرت نگار نے ان تاریک ترین حالات میں نورسی کی ہمتوں کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا ہے:

"یہ ایک ایسا زمانہ تھا جب ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا تھا، امیدوں کی شمعیں سب بجھ چکی تھیں۔ ایسے زمانے میں بھی ایک ایسا شخص موجود تھا جو ابھی تک شکست سے دوچار نہیں ہوا تھا، جو ثابت قدم تھا اور چلاّ چلاّ کر کہتا تھا: امید رکھو! مستقبل کے تمام انقلابوں میں سب سے بلند، سب سے بھرپور صدا، اسلام کی صدا ہوگی"۔

نورسی کے ہمنوا اور ہم عصر شاعر مشرق اقبال نے بھی ایسے ہی جذبات کو اپنے شعروں کی زبان دی تھی۔ وہ کہتے ہیں۔

اگر عثمانیوں پہ کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

مرشدِ حقیقی کی رہنمائی

اس عہد اضطراب میں موت کی حقیقت بار بار سعید نورسی کو اپنی طرف متوجہ کررہی تھی، انہیں دنیوی زندگی اور تمام مال و متاع حقیر دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ انسان کے سفر زیست پر غور کرتے تھے اور کائنات میں انسان کے حقیقی کردار کو متعین کرنے کی کوشش کررہے تھے پھر یہ کہ اشرف المخلوقات انسان کو موت کے ہاتھوں پھانسی پر لٹکنے سے بچانے کی کاوشوں میں دن کا آرام اور راتوں کی نیندیں تج کررہے تھے۔ وہ انسان کو شاہکارِ ربوبیت سمجھتے ہوئے اس کی اعلیٰ حیثیت کو اس کی نظروں میں اجاگر کرنے کی کاوش میں سرگرداں تھے۔ یہی تو مذہب کا بنیادی فریضہ اور انبیاء کی دعوت کا نقطہ عروج ہے۔ اس راز کو پانے کے لئے پہلے خود فنائیت کی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے تب جاکر بندگانِ خدا پر حیاتِ دوام کے راز منکشف ہوتے ہیں۔ اسی بلند روحانی مرتبہ ولایت کو ان کی شخصیت کا حصہ بنانے کے لئے قدرت انہیں باطنی جوڑ توڑ کے پروسیس سے گزار رہی تھی۔ وہ دراصل ایک اندرونی تبدیلی اور باطنی انقلاب کے ذریعے ارتقاء کی منزلیں طے کررہے تھے۔ یہ بات قابل ذکر اور لائقِ توجہ ہے کہ اس دوران انہوں نے حسب سابق خصوصاً دو شخصیات کی کتب سے روحانی تسکین کا سامان کیا۔ پہلی شخصیت حضور سید عبدالقادر جیلانی غوث صمدانیؓ کی تھی، آپ کی کتاب "فتوح الغیب" کو بار بار پڑھا اور بالآخر انہیں یہ اشارہ ملا کہ "تو دارالحکمت اسلامیہ کے ذریعے دوسرے لوگوں کا روحانی اور علمی علاج تو کرتا ہے مگر تو نے آج تک اپنا علاج نہیں ڈھونڈا کیونکہ سب سے زیادہ علاج کی ضرورت تو تجھے خود ہے۔ اس لئے کوئی طبیب ڈھونڈ اور اس سے اپنا علاج کروا"۔

دوسرے بزرگ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تھے جن

سے نورسی ہمیشہ مانوس رہے۔ چنانچہ انہوں نے ان کے مکتوبات شریف کا از سر نو مطالعہ شروع کردیا۔ انہوں نے مکتوبات شریف سے جب فال نکالی تو دو صفحات اُن کے سامنے کھلے اور دلچسپ بات یہ تھی کہ دونوں صفحات پر حضرت مجدد نے کسی بدیع الزماں نامی شخص کو مخاطب کرکے خط لکھے ہوئے تھے۔ حسنِ اتفاق سے ان میں سے ایک بدیع الزماں کے والد کا نام بھی آپ کے والد گرامی سے ملتا تھا۔ اس مکتوب کو نورسی نے اپنے نام منسوب جانا کیونکہ اس مکتوب میں لکھا تھا۔

''اے بندے توحید قبلہ کرلے'' مراد یہ کہ تجھے اس وقت کسی ایک مرشد رہنما اور مربی کا انتخاب کرکے مکمل طور پر اس کے پیچھے چلنے کی ضرورت ہے۔ ان دونوں کتب سے نورسی صاحب کو بنیادی رہنمائی تو مل چکی تھی لیکن اب وہ اس بات پر غور کررہے تھے کہ یہ مرشد اور مربی ہے کون؟ فرماتے ہیں یہ سوچتے ہی میرے دل میں اس کا جواب آگیا اور وہ یہ تھا کہ تمام روحانی دریاؤں اور علمی چشموں کا منبع اور تمام سیاروں کا سورج تو قرآن حکیم ہی ہے۔ قیامت تک توحید قبلہ بھی یہی ہے اور جملہ امراض کا علاج بھی اسی میں مضمر ہے لہذا اعلیٰ ترین مرشد بھی قرآن ہے اور مقدس ترین مربی بھی قرآن۔

چنانچہ اسی نکتے پر مزید دو سال تک روحانی اور ذہنی چلے کی کیفیت رہی۔ اس دوران انہوں نے غزالی، رومی، ابن عربی اور بہاء الدین نقشبندی جیسے مردانِ برحق کی طرح قلب اور عقل کی آنکھیں کھلی رکھتے ہوئے حقیقت کی راہ کا انتخاب کرلیا اور قرآن کے مشاہدات، عقلی اور روحانی دلائل کے ساتھ آپ پر منکشف ہوگئے۔

قرآنی انکشافات کی یہ نعمت اگرچہ پہلی مرتبہ آپ کا مقدر نہیں بنی تھی کیونکہ نورسی تو بچپن اور لڑکپن سے ہی خداداد صلاحیتوں کو قرآن کی خدمت میں لگادینے کا عزم بالجزم کرچکے تھے مگر قدرت عظمتیں نچھاور کرنے سے قبل ہر عظیم ہستی کا امتحان لیتی ہے اس لئے نورسی کو بھی کبھی پیچ و تاب رازی سے گزارا اور کبھی سوز و ساز رومی میں زیر تربیت رکھا، تب جاکر انہیں ساز فطرت کا راز داں بنایا گیا۔ ان کی اس کیفیت کو اقبال نے کیا خوب لفظی پیرہن عطا کیا ہے۔

؎ عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یعنی زندگی جب ایک طویل مدت تک عبادت گاہوں میں آہ و زاری کرتی ہے تب کہیں جاکر قدرت کسی دانائے راز سے کائنات کو نوازنے پر آمادہ ہوتی ہے۔

؎ مت سہل انہیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے ذروں سے انسان نکلتا ہے

نئی منزلوں کا سراغ

سیاسی سطح پر شکست خوردہ دینِ اسلام کی روحانی برکات اور ایمانی کیفیات کو آئندہ نسلوں تک صاف ستھری حالت میں باقی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سعید نورسی کی باطنی دنیا کو وسعت، آفاقیت اور یقین محکم جیسی روحانی خوبیوں سے نواز دیا تھا۔ وہ اس روحانی انقلاب سے گزر کر اپنی منزل کا تعین کرچکے تھے۔ اب انہوں نے خود کو ''سعید نو'' کہنا شروع کردیا تھا۔ گویا نیا سعید، خالصتاً ایک روحانی شخصیت تھی۔ جس طرح قدرت نے کسی دور میں امام غزالی کو اسی نوعیت کے باطنی انقلاب سے ہمکنار کرکے ''احیائے علوم الدین'' لکھوائی جو رہتی دنیا تک اسلام کے فلسفہ اخلاق پر ایک علمی شاہکار ہے یا یونانی فکر فلسفہ کی اثر انگیزی سے اسلامی تعلیمات کو محفوظ کرنے کے لئے مولانا روم سے مثنوی لکھوائی جس نے عشق اور محبت کی معنویت کو اجاگر کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سعید نورسی کو بیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے ان سے رسائل نور مرتب کروائے۔ رسائل نور ان کی تصنیفات کا ایسا مجموعہ ہے جو انہوں نے قیدِ تنہائی، جیل اور انتہائی درد و آلام سے زخمی قلب و جگر کو تھام کر لکھے ہیں۔

تاریخ اسلام میں یہ عجوبہ بھی بدیع الزماں کے حصے میں آیا ہے کہ ان کے ذمے لگنے والا کام جس قدر عظیم اور حساس تھا اسی قدر انہیں قید و بند، مشکلات و مصائب،

متوجہ ہوں! بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر ماہنامہ منہاج القرآن ماہ دسمبر 2011ء کا شمارہ شائع نہیں ہوگا۔ قارئین نوٹ فرمالیں۔ (ادارہ)

مسافرت، تنہائی اور اسی طرح حالات سے دوچار رکھا جن کا تصور کرکے ہی ایک عام انسان کانپ جاتا ہے مگر آفرین ہے اس مردِ باصفاء پر جو ہر قدم پر مسکراتے رہے اور غموں کے سارے موسم انہوں نے اسلام کی بہار کے سہارے گزار دیئے۔

انہوں نے ان ناموافق ترین حالات میں دنیا کا بہترین تفسیری ادب تخلیق کیا۔ رسائل نور دراصل بیسویں صدی کا وہ موثر ترین اسلامی لٹریچر ہے جس میں نئے زمانوں کے نئے تقاضوں کو سامنے رکھ کر قرآن کی عقلی، سائنسی اور روحانی تفسیر پیش کی گئی ہے۔ یہ رسائل جس دور میں لکھے گئے وہ اسلام پر الحاد اور بے یقینی کے حملوں کا دور تھا۔ کمیونسٹ انقلاب نے معاشی حقوق کے نام سے لوگوں کو مذہب اور عقیدے سے دور کردیا تھا، اسی طرح یورپ کی صنعتی ترقی میں انسان نے اخلاقیات کو غیر ضروری قرار دے دیا تھا۔ سائنس اور منطق ہر بات پر دلیل طلب کررہی تھی جبکہ علماء روایت پرستی سے باہر نکلنے کو تیار نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خدمت سعید نورسی کے فکرِ رسا، مضبوط ایمانی شخصیت اور ان کے غیر معمولی حافظے سے لی۔ جس دور میں انہوں نے رسائل نور لکھنا شروع کئے۔ وہ نورسی صاحب کا سب سے مشکل دور تھا، انہیں کوئی کتاب خانہ اس لئے میسر نہ آسکا کہ وہ کسی جگہ چند ماہ سے زیادہ ٹھہر ہی نہ سکے تھے۔ کوئی مرکزِ تسکین نہیں تھا اور نہ کوئی گوشہ تحقیق، ایک تھانے سے دوسرے تھانے میں، ایک عدالت سے دوسری عدالت میں، ایک شہر سے دوسرے شہر میں اور ایک بستی سے دوسری بستی میں گھمایا جاتا رہا۔ استعماری ایجنٹوں کو ان کی شخصیت سے جو خطرات محسوس ہوئے تھے وہ یہی تھے کہ یہ شخص جہاں جاتا ہے اس کے ساتھ تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد جمع ہوجاتی ہے۔ یہ جنگل میں جائے یا تھانے میں اپنے ہمنوا پیدا کرلیتا ہے اس لئے حکومت کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ انہیں زیادہ سے زیادہ اذیت ناک ماحول میں اور زیادہ سے زیادہ قیدِ تنہائی میں رکھا جائے مگر فطرت جس پہ مہربان ہو وہ فضاؤں کو بھی ہمنوا بنالیتا ہے۔ یہی سعید نورسی کے ساتھ ہوتا رہا وہ جہاں جہاں جاتے رہے ان کی متاثر کن شخصیت نئے نئے گلستان آباد کرتی گئی۔

یہ اعجاز ہے حسنِ آوارگی کا
جہاں بھی گئے داستاں چھوڑ آئے

ان کے حالات زندگی پر لکھی جانے والی کتب میں ان مقامات کی دلچسپ تفصیلات موجود ہیں۔ ان رفقائے کار کے اسمائے گرامی آج بھی اس دعوت و عزیمت کی داستان میں موتیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں جو راتوں کی تاریکی میں حکومتی گماشتوں کی نظروں سے چھپ چھپ کر اپنے ہاتھوں سے استاد نورسی کے ان رسائل کو نقل کرتے تھے اور پھر انہیں ملک کے کونے کونے میں پھیلانے میں جتے رہتے تھے۔ ایسے تلامذہ نور کو وہ قدرت کا خصوصی عطیہ سمجھتے تھے جو اس نورانی مشن کو ان سے لے کر مخلوق تک پہنچانے میں جان کی بازی لگاتے تھے۔ اس سفرِ عزیمت میں بہت سے طلبائے نور کو سزائیں ہوئیں، جرمانے ہوئے جیلوں میں رہے اور ان کے بیوی بچوں کو بھی زمانے کی تلخیاں جھیلنی پڑیں۔ ان سب کا جرم وہی تھا جو نورسی کا جرم تھا، اپنے ایمان کی حفاظت اور دوسروں کے ایمانوں کا فکر۔

1950ء میں جاکر حکومتی رویوں میں تھوڑی تبدیلی آئی۔ بعض حلقوں کی برف پگھلنا شروع ہوئی اور عدالتوں میں جاری بے شمار مقدمات ختم ہوئے جس کے بعد رسائل باقاعدہ مطبع خانوں سے چھپنا شروع ہوئے۔ یہ نامور دانشور، صوفی، مجدد اور حکیم الامت 1960ء میں تقریباً 82 سال کی عمر میں واصل بحق ہوگئے۔ جس طرح ان کی زندگی عجائبات سے بھری پڑی ہے اسی طرح ان کی

موت اور قبر کے احوال بھی حیران کن ہیں۔ ہزاروں تلامذۂ نور نے خود انہیں دفن کیا مگر آج ان کی قبر گمنام ہے۔ ان کی خواہش کے عین مطابق اب ان سے محبت کرنے والے ان کی قبر تلاش کرنے کی بجائے ان کے رسائل نور کی خدمت میں سرگرداں ہیں۔ زندگی میں جس طرح بے ریا اور مستغنی رہے وصال کے بعد بھی ریا کے کسی نشان کا شائبہ نہیں رہنے دیا۔ اس وقت ان کے رسائل نور کا دنیا کی بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ عربی میں ان رسائل کے 6000 صفحات 9 جلدوں میں چھپ رہے ہیں جبکہ انگریزی زبان میں ان کا ترجمہ 8 بڑی ضخیم جلدوں میں موجود ہے۔ اس وقت دنیا کی بڑی بڑی جامعات میں ان کے نام کی ''چیئرز'' قائم ہو رہی ہیں۔ تیس سے زائد ممالک کی جامعات میں Ph.D کی سطح پر ان رسائل پر تحقیقی اور تجزیاتی کام ہو رہا ہے۔ ترکی اور دنیا کے دوسرے ممالک میں ان کے ہزاروں مراکز تربیت بہت خوش اسلوبی اور نہایت اخلاص سے اسلامی کے اس ابدی پیغام کو پھیلا رہے ہیں۔

ان لوگوں میں کوئی عہدوں کی تقسیم نہیں، کوئی مرکزی تنظیمی ڈھانچہ نہیں اور وہ کسی کے سامنے اپنی کارکردگی کے جواب دہ بھی نہیں۔ ان کے درمیان چند دن گزارنے کے بعد جب اس خود کار نظام دعوت و تربیت کے تسلسل میں مضمر راز کو تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا یہ لوگ اپنے عظیم قائد و مربی کے اخلاص کو اپنا رہنما بناتے ہیں اور صرف اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی خوشنودی کے لئے حتی المقدور کاوشیں بروئے کار لاتے ہیں۔

ان لوگوں کی جماعت، ''جماعت النور'' کہلاتی ہے، ان کے مراکز میں فرشتہ سیرت نوجوان ''طلبائے نور'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ جن کا شعار صرف خدمتِ دین ہے۔ ان کے اسی سلسلہ نور کی ایک کرن محمد فتح اللہ گولن کی صورت میں اس وقت روشن آفتاب بن کر دنیا بھر کے مسلمانوں کو مرکز محبت و اخوت کی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ حضور ﷺ کی محبت بالکل اسی طرح تقسیم ہو رہی ہے جس طرح تحریک منہاج القرآن یہ سعادت حاصل کر رہی ہے۔

ہم آئندہ معروضات میں اسی عظیم انسان کی کاوشوں کا تعارف کروائیں گے جو خاموش ندی کی صورت میں پوری دنیا میں جاری و ساری ہیں۔ جن کی خصوصی سماجی، تعلیمی اور دعوتی کاوشوں سے اب ترکی میں سیاسی اور معاشی انقلاب آ رہا ہے۔ اور ترکی اپنی اصل منزل کی طرف لوٹ کر واپس آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ وہ منزل دور نہیں جب بقول شاعر

؎ آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی

(جاری ہے)

منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کے زیر اہتمام
عالمی امن کانفرنس 2011ء

رپورٹ: آفتاب بیگ۔ لندن

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی قیادت میں منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کے زیر اہتمام ویمبلے ایرینا لندن میں عالمی امن کانفرنس "امن برائے انسانیت" 24 ستمبر 2011ء کو منعقد ہوئی۔ جس میں شمالی امریکہ سے لے کر جنوبی افریقہ، یورپ اور دنیا کے تمام خطوں سے مسلم، عیسائی، یہودی، ہندو، بدھ مت، سکھ اسکالرز، موثر شخصیات اور دیگر مذاہب عالم کے پیروکاروں سمیت گیارہ ہزار سے زائد شرکاء نے شرکت کی۔

مہمانان گرامی

اس عالمی امن کانفرنس میں نامور علماء و مشائخ سمیت درج ذیل مہمانان گرامی نے خصوصی شرکت کی۔

☆الازھر یونیورسٹی مصر کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر اسامہ العبد ☆ڈاکٹر عبدالدیام النصیر ☆صدر منہاج القرآن سپریم کونسل صاحبزادہ حسن محی الدین القادری ☆صاحبزادہ پیر سید عبدالقادر جمال الدین الگیلانی ☆ڈاکٹر محمد النناوی ☆سوڈان کے ممتاز سکالر شیخ احمد بابکر ☆جماعت اہل سنت برطانیہ کے سربراہ محترم پیر عبد القادر شاہ جیلانی ☆برطانیہ سے محترم پیر فیاض الحسن سروری درگاہ عالیہ سلطان باہو ☆پاکستان سے محترم صاحبزادہ پیر محمد امین الحسنات شاہ سجادہ نشین بھیرہ شریف ☆مقدونیہ سے محترم نور محمد جرال میسوط کرٹس ☆ڈاکٹر جوئل ہیورڈ (یوکے) ☆محترمہ ثوابا ☆ کمیونٹی منسٹر ائیرک ☆مسز نعیمہ جلیل ☆ قاری سید صداقت علی ☆محترمہ غزالہ حسن قادری ☆محترمہ خدیجہ ایٹکنسن ☆مسلم ہینڈ چیرٹی کے چیئرمین صاحبزادہ سید لخت حسنین ☆تحریک منہاج القرآن کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر رحیق احمد عباسی ☆نائب ناظم اعلیٰ جی ایم ملک ☆مرکزی ناظم اجتماعات جواد حامد

استقبالیہ کلمات شیخ الاسلام

امن کانفرنس کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ جس کے بعد قصیدہ بردہ شریف اور مختلف زبانوں میں نعت خوانی بھی ہوئی۔ پروگرام کے آغاز میں تمام مذاہب کے معزز مہمانوں اور مشائخ نے شیخ الاسلام کی قیادت میں امن عالم کے فروغ اور محبت و رواداری کے جذبات کی ترویج کے لیے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اظہار یکجہتی کرتے ہوئے اجتماعی دعا کی۔ بعد ازاں کانفرنس میں تمام مذاہب کے نمائندوں نے انفرادی طور پر بھی اپنے اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق دنیا میں امن و امان کے لیے دعائیں کیں۔

کانفرنس کے آغاز میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے مہمانان گرامی اور جملہ مذاہب کے رہنماؤں کو

خوش آمدید کہا اور عالمی امن کانفرنس کی غرض و غایت سے شرکاء کو آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ

دنیا میں عالمی قیام امن کی جتنی آج ضرورت ہے، اس سے پہلے نہ تھی۔ اسلام کے پیروکار مسلمان امن عالم کے قیام پر بلامشروط یقین اور ایمان رکھتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں کہیں بھی دہشت گردی، شدت پسندی اور انتہاء پسندی و بنیاد پرستی کی حمایت نہیں کی گئی۔ اسلام امن کا دین اور مسلمان قیام امن کے پیامبر ہیں۔ پوری دنیا میں اسلام کی جو تصویر پیش کی جا رہی ہے اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ 99 فیصد سے زیادہ مسلمان امن پسند اور انسانیت سے پیار کرنے والے ہیں۔

موجودہ دور میں انتہاء پسندی اور دہشت گردی نے ساری دنیا اور بالخصوص مسلمانوں کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ انتہاپسندی نے دنیا کے لاکھوں انسانوں کے چہروں سے مسکراہٹ چھین لی اور انہیں دکھوں، زخموں اور ناامیدی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ انتہاء پسندی نے ہم سب کو تقسیم کر دیا۔ میں آپ سب کو دعوت دیتا ہوں کہ آئیں ہم سب مل کر دنیا کے امن کے لیے ایک ہو جائیں۔ اسی عالمی امن اور بھائی چارے کا درس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری انسانیت کو آزادی کا درس دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سلام، محبت اور بھائی چارے کی تعلیمات کو فروغ دیا۔ اسی طرح بدھا، کرشنا، گرونانک اور مذاہب عالم کی دیگر عظیم ہستیوں نے دنیا کو انسانی فلاح اور امن کی راہ دکھلائی۔

آج انسانیت کے درمیان پیدا ہونے والی دراڑوں اور زخموں کو بھرنے کا مرحلہ آ گیا ہے۔ آج کی کانفرنس ایک دفعہ پھر انتہا پسندی اور دہشت گردی کی ہر شکل کی غیر مشروط مذمت کرتی ہے۔ ہمیں مل کر رحم، یکجہتی اور عزت کی بنیاد پر دنیا سے خوف، نفرت اور انتہا پسندی کا خاتمہ کرکے انسانیت کو نئی آزاد سمت فراہم کرنا ہے جہاں امیر، غریب کو خوراک فراہم کرے، جہاں دردوں کا مداوا ہوتا ہو، جہاں نفرت کی بجائے محبت کا ماحول ہو، جہاں فاصلوں کی جگہ قربتیں لے لیں، جہاں رجائیت کا دور دورہ ہو، جہاں حسد کی بجائے تعریف کی جاتی ہو، جہاں صبر اور روشن خیالی ہو۔ آج ہم تمام شرکاء یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تمام مذاہب اپنے اپنے عقیدوں پر قائم رہتے ہوئے متحد ہو جائیں تاکہ عالمی امن قائم ہو سکے۔

خطابات و پیغامات مہمانان گرامی

شیخ الاسلام کے استقبالیہ کلمات کے بعد مہمانان گرامی کے خطابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جملہ مقررین نے اپنے خطابات میں اس عالمی امن کانفرنس کے انعقاد کو وقت کی ضرورت قرار دیتے ہوئے کہا کہ بین المذاہب رواداری کے فروغ اور امن عالم کے قیام کے لئے یہ ایک ایسا تاریخی قدم ہے کہ تاریخ اسکی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ منہاج القرآن نے ہمیشہ امن عالم کے قیام اور انسانیت کی بھلائی کیلئے بروقت اور درست اقدامات کئے۔ ہم شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو اس عظیم کانفرنس کے انعقاد پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ منہاج القرآن کا یہ قافلہ اسی طرح دنیا میں امن و محبت کی شمعیں روشن کرتا رہے۔

مہمانان گرامی کے اظہار خیال کے بعد دنیا بھر سے درج ذیل نامور شخصیات اور سکالرز کی جانب سے اس کانفرنس کے لئے بھیجے گئے خصوصی ویڈیو پیغامات دکھائے اور تحریری پیغامات سنائے گئے۔ (ان تمام پیغامات اور امن کانفرنس کی عالمی میڈیا پر خصوصی کوریج www.minhaj.org پر ملاحظہ فرمائیں)

☆ وزیراعظم برطانیہ ڈیوڈ کیمرون ☆ ڈپٹی وزیراعظم نک کلیگ ☆ اپوزیشن لیڈر ایڈ ملی بینڈ ☆ سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ بانکی مون ☆ OIC سیکرٹری جنرل ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوگلو ☆ آرچ بشپ آف کینٹر بری ڈاکٹر رووان

ولیمز ☆لیبر پارٹی کے MP سٹیفن ٹمز ☆ وائس چیئرمین کنزرویٹو پارٹی ایم پی مارگوٹ جیمز ☆ شیخ الازھر پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد الطیب ☆ایرک پکلز (سیکرٹری آف سٹیٹ فار کمیونٹیز) ☆ بورس جونسن (میئر آف لندن) ☆ سجاد کریم (MP کنزرویٹو پارٹی برطانیہ) ☆انس سرور (لیبر پارٹی MP گلاسگو)

خصوصی خطاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

مہمانان گرامی کے خطابات اور دنیا بھر سے ارسال کردہ پیغامات کے بعد شیخ الاسلام نے ''اسلام اور عالمی قیام امن'' کے موضوع پر خصوصی خطابات کرتے ہوئے فرمایا کہ

اے امت مسلمہ کے نوجوانوں دنیا میں انسانیت کی فلاح و بہبود، عزت واحترام اور امن و امان کے لیے اکٹھے ہو جاؤ اور اسلام کے سچے پیروکار بنتے ہوئے تعلیمات اسلام کو اپنی زندگیوں کا اوڑھنا بچھونا بنا لو۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل نے مسلم نوجوانوں کی تربیت اور رہنمائی کیلئے پوری دنیا میں سیمینارز، کانفرنسز اور لیکچرز کے پروگرام ترتیب دیئے ہیں، اس کے علاوہ عالمی قیام امن کے لیے منہاج القرآن انٹرنیشنل کے پلیٹ فارم سے تھنک ٹینکس بھی بنائے گئے ہیں، جو قیام امن کی عالمی کوششوں میں مصروف ہیں۔ نائن الیون کے دل خراش واقعہ کی وجہ سے گذشتہ دس سالوں میں دنیا بھر میں ہزاروں بے گناہوں کا خون بہہ چکا ہے۔ خاندان برباد ہو گئے ہیں۔ انسانی زندگی اور قدریں اس کے اثرات سے مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس سلسلے کو فوری طور پر ختم کر دیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں جس طرح ہجرت مدینہ کے ساتھ اسلام کے نئے دور کا آغاز ہوا تھا۔ اس طرح آج ایک دفعہ پھر لندن کی ویمبلے کانفرنس کے بعد محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین اسلام کی عزت وعظمت کی بحالی کے دور کا آغاز کر دیا جائے۔ امت مسلمہ کے نوجوان آج سے محبت و امن پر مبنی اسلام کا پیغام برطانیہ و یورپ سمیت دنیا بھر میں تحریک کی صورت میں شروع کر دیں۔ نوجوان آستینوں میں چھپے دشمنان اسلام کی سازشوں اور ارادوں کو بے نقاب کر کے تباہ کر دیں۔

مغربی میڈیا میں 99 فیصد اکثریت امن کے حامی ہیں جبکہ صرف ایک فیصد نے بدامنی اور انتہا پسند اقلیت کو ترجیح دے رکھی ہے۔ میڈیا کے ایک فیصد گروہ کو بھی اب اپنی اس پالیسی کو تبدیل کرنا ہوگا۔ انتہاء پسندی اور دہشت گردانہ سوچ کا زمانہ بیت چکا۔ اب دنیا بھر میں آمریت کا خاتمہ کر کے جمہوریت کو متعارت کروایا جانا چاہیے جو کہ اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ میں دنیا کو ایسے امن بھرے باغ کی مانند دیکھنا چاہتا ہوں جہاں محبت کے فوارے چلتے ہوں ان فواروں سے آزادی، رحم، سخاوت اور ایک دوسرے کو سمجھنے اور برداشت کرنے والی نہریں بہتی ہوں۔ ان نہروں سے انسانیت کی عظمت و اخلاقیات سیراب ہوتی ہوں، اس باغ کی زمین کو انسانی قدروں سے زرخیز کر کے اچھی نیت کے خالص بیج بوئے جائیں، اس باغ کے ہم سب مالی ہوں جبکہ اس کے پھلوں سے پوری عالم انسانیت لطف اندوز ہو۔ مجھے امید ہے کہ یہ عالمی کانفرنس مسلم اور غیر مسلم کے درمیان امن اور بھائی چارے کی شروعات کا باعث بنے گی۔

لندن ڈیکلریشن

تحریک منہاج القرآن یو کے، کے تحت ویمبلے ایرینا لندن میں ہونیوالی امن برائے انسانیت کانفرنس میں مسلم، مسیحی، یہودی، ہندو، سکھ اور بدھ مت کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی صدارت میں ہونے والی اس کانفرنس میں شریک چھ مذاہب کے رہنماؤں نے دنیا میں امن کے قیام اور دہشت گردی و انتہاء پسندی

کے خلاف درج ذیل قرارداد منظور کی۔ اس قرار داد کو ''لندن ڈیکلریشن'' کا نام دیا گیا۔ اس دستاویز پر دسمبر 2011ء تک 10 لاکھ افراد دستخط کریں گے۔

ا۔ ہم تمام جو اس کانفرنس کے دستخط کنندگان ہیں، وہ تمام انسانیت، معاشروں اور اقوام کو امن اور بھائی چارے کا پیغام دیتے ہیں اور تمام لوگوں کو آپس میں محبت، اخوت، عظمت، تحریم وتکریم اور باہم عدل و انصاف کی دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ ہم اپنی آواز امن، برداشت اور تمام لوگوں کے احترام کے لیے بلند کرتے ہیں، خاص طور پر سیاسی اور مذہبی قائدین، علماء، اساتذہ اور صحافی حضرات کے لیے۔

۳۔ اگرچہ ہم مختلف مذاہب، عقائد، ثقافت اور معاشروں میں اختلافات پاتے ہیں، تاہم، ہم اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ تمام لوگوں کو بے شمار حقوق اور اقدار حاصل ہیں اور ان سب سے بڑھ کر سیاسی حدیں اور فلسفے جو فطری طور پر موجود ہوتے ہیں اور جنہیں تمام مذاہب اور عقائد میں بہت اہمیت حاصل ہے۔

۴۔ یہودی، مسلمان، عیسائی، ہندو، بدھ مت اور تمام دوسرے مذاہب اور بلاشبہ وہ لوگ بھی جن کے مذہب کی کوئی نشاندہی نہیں ہے، ان تمام کو لازمی طور پر مساوی حقوق حاصل ہونے چاہئیں اور وہ اپنی طرح کے لوگوں کے ساتھ امن اور باہمی ہم آہنگی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔

۵۔ ہم دہشت گردی کو کھلم کھلا طور پر مسترد کرتے ہیں (مذمت کرتے ہیں)، کیونکہ ہر مذہب کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ معصوم لوگوں کے تقدس کا احترام کیا جائے۔ دہشت گردی کی غیر معینہ قسم میں عام شہریوں کا جنگجوؤں کی نسبت زیادہ قتل ہوا ہے، یہ غیر اسلامی ہے۔ ناانصافی، عیسائیت اور یقیناً تمام مذاہب کے تمام عقائد کے خلاف ہے۔ ہم ہر قسم کی دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں۔

۶۔ ہم واضح طور پر اسلام کے نام پر کی جانے والی ہر قسم کی دہشت گردی کے خلاف ہیں، نہ صرف یہ بلکہ ہم اسلام اور دیگر تمام مذاہب کے نام پر کی جانے والی دہشت گردی کی نہ صرف مخالفت کرتے ہیں، بلکہ کھلم کھلا طور پر مذمت کرتے ہیں۔

۷۔ ہم ان تمام بین الاقوامی ایجنسیوں، حکومتوں اور ان معاشروں کے ساتھ ہیں، جو دنیا کے معصوم لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے کوشاں ہیں۔

۸۔ ہم ظلم اور جبر کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ خاص طور پر The Arab Spring کو، جو ہمیں یقین ہے کہ انسانی حقوق کی بنیاد پر بنی ہوئی ہے اور بالا مذکورہ تمام انسانی حقوق سے لیس ہے۔ ہم ان تمام نظریات اور افکار کو رد کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کسی قسم کی کوئی جنگ موجود ہے۔ ہم غیر یقینی صورتحال جو مختلف ریاستوں، قوموں اور معاشروں میں موجود ہے اس کا مقابلہ باہمی بات چیت سے کر سکتے ہیں۔

۹۔ جہاں تک پر تشدد کاروائیوں کا سوال ہے اور لوگوں کی شکایات کا سوال ہے، تمام ممالک کی حکومتوں کو ان کا ازالہ کرنا چاہیے۔ ہم آج اکٹھے اس لیے کھڑے ہیں کہ تمام مسائل کا پر امن حل تعلیم اور مذاکرات کے ذریعے ممکن بنائیں۔

۱۰۔ ہم تمام بین الاقوامی ایجنسیوں اور حکومتوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کھلے دل اور مصمم ارادے سے مسلمانوں اور آزادی کے لیے متحرک عربوں کی حمایت کریں اور ہم ان سے یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ وہ یہ کام غیر عسکری، غیر جانبداری پر مبنی انصاف اور موثر ابلاغ کے ذریعے سرانجام دیں، جس سے خیر سگالی کے تعلق اور باہمی اعتماد کو فروغ ملے گا۔

۱۱۔ اس قرارداد پر دستخط کرنے والے سارے ارکان یہ یقین کر لیں کہ ایک طویل عرصے سے اسرائیل اور فلسطین

کے مابین تنازعے کو کامل انصاف اور ترجیحی بنیادوں پر حل کرنا انتہائی ضروری ہے۔

۱۲۔ ہم اس ضرورت پر بھی مستحکم طریقے سے زور دیتے ہیں کہ یہ تنازعہ اس طرح حل کر لیا جائے کہ فلسطینیوں کو مکمل آزادی حاصل ہو جائے اور فلسطینیوں کو ایک الگ ریاست مل جائے۔ فلسطین اور اسرائیل کے درمیان امن معاہدے کو پائیدار اور حتمی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ بین الاقوامی برادری متحدہ طور پر اس کی پر زور حمایت کرے اور اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے کہ معاہدے کی شرائط دونوں ریاستوں کے شہریوں کے لیے یکساں مفید ہوں، جن کے مابین ایک عرصے سے خوف اور عدم اعتماد کی فضاء قائم ہے۔

۱۳۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ انسانی حقوق، بنیادی آزادیوں، مرد اور عورت کے درمیان مساوات، صلح، عفو درگزر، کشادہ دلی اور یکجہتی جیسی اعلیٰ انسانی قدروں کو فروغ دیا جائے۔

۱۴۔ ہم مشترکہ طور پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ تمام انسان برابر ہیں اور سب کے ساتھ یکساں عزت و احترام، حلیمی بردباری، انصاف اور یکجہتی کے ساتھ پیش آیا جائے، کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔

۱۵۔ ہم نسل پرستی کی ہر شکل کی واشگاف الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔

۱۶۔ ہم مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے ملک کے قوانین کا احترام کریں۔ خواہ انہیں شہری حقوق حاصل ہوئے ہوں یا نہیں۔

۱۷۔ ہم تمام مغربی حکومتوں اور مسلمانوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ معاشرتی وحدت اور شہریت کو فروغ دیں، کیونکہ وحدت اور پرامن بقائے باہمی کے حصول کا یہی ایک راستہ ہے۔

۱۸۔ ہم دنیا کی تمام حکومتوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ نفرت، تشدد، مذہبی عدم رواداری اور قومیت پرستی کے خلاف اپنی اقلیتوں کو تحفظ فراہم کریں۔

۱۹۔ ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ افریقہ اور دنیا کے دیگر غربت اور افلاس زدہ اقوام کی امداد میں اضافہ کیا جائے۔ تاکہ ان کا معیار زندگی بہتر کیا جا سکے، انہیں معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی استحکام فراہم کیا جا سکے اور صحیح جمہوریت کے مقاصد کے شعور کو عام کیا جا سکے۔

۲۰۔ ہم دنیا کی اقتصادی قوتوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مالی ترجیحات میں انسان دوستی کو بھی شامل کریں، عالمی جنگوں کے بعد یورپی ریاستوں کا استحکام ایک لازمی امر ہے۔

۲۱۔ ہم دنیا کی جملہ حکومتوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ غربت و افلاس کے انسداد، جہالت کے خلاف جنگ، ہتھیاروں کی دوڑ اور قدرتی ماحول کو لاحق خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی جدوجہد تیز تر کریں۔

۲۲۔ لندن میں آج Peace for Humanity کے گیارہ ہزار شرکاء عالمی امن اور انتہا پسندی کے خلاف مزاحمت کے اس Declaration کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔

اس عالمی کانفرنس کو اے آر وائی کیو ٹی وی اور منہاج ٹی وی کے ذریعے دنیا بھر میں براہ راست نشر کیا گیا۔ تحریک منہاج القرآن کے مرکزی سیکرٹریٹ لاہور، پاکستان کے مختلف اضلاع اور دنیا بھر میں اجتماعات ہوئے جہاں یہ کانفرنس براہ راست ملاحظہ کی گئی۔

کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات

نصب العین کا حصول اور اقدارِ حیات کا تعین

شفاقت علی شیخ ☆

(قسط:9)

قارئین کے پسندیدہ اس سلسلہ وار مضمون میں امریکن رائٹر ''سٹیفن آرکووے'' کی تحریر Seven Habits of highly efective people کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے۔ اس مضمون کا یہ سلسلہ ماہنامہ منہاج القرآن میں ماہ جنوری 2011ء سے جاری ہے اور اب تک دو خصوصی عادات ''ذمہ داری قبول کرنا'' اور ''انجام پر نظر رکھنا'' کو مختلف جہات سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی مضمون کا اگلا حصہ نذرِ قارئین ہے:

نصب العین کے تعین کے بعد اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نصب العین کو حاصل کیسے کیا جائے۔

(اس سوال کے تفصیلی جواب کے لئے ماہنامہ منہاج القرآن ماہ نومبر 2009ء ملاحظہ فرمائیں جس میں ''بامقصد زندگی کے اصول'' کے عنوان سے قسط وار شائع ہونے والے میرے مضمون کے آخری حصہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ تاہم یاد دہانی کے لئے یہاں صرف اشارات پر اکتفا کیا جائے گا)۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الذاریات:٥٦)

''اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں''۔

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ''لیعبدون'' کا معنی لیعرفون لیا ہے ''یعنی میری معرفت حاصل کریں''۔

معرفت کی بجائے عبادت کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی معرفت کو پانے کا ذریعہ عبادت ہی کو بنایا ہے اور معرفت کا دعوٰی فقط وہی قابلِ قبول ہوگا جو عبادت کی راہ سے ہو۔ اس سے ہٹ کر کوئی معرفت کا دعوٰی کرے تو وہ ناقابلِ قبول ہوگا۔

اب یہ سمجھنا ہوگا کہ عبادت کا وہ جامع مفہوم کون سا ہے؟ جس کے اندر زندگی کی جملہ حرکات و سکنات آجائیں اور جسے اپنا کر نصب العین تک پہنچا جاسکتا ہے۔ یہ جامع مفہوم مندرجہ ذیل تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

۱۔ براہ راست عبادت ۲۔ بالواسطہ عبادت

۳۔ مخصوص صلاحیت کا تحفظ

(i) براہِ راست عبادت

اس میں وہ تمام مخصوص عبادات شامل ہیں

☆ shafaqatalisheikh@yahoo.com

جوتمام مسلمانوں پر بشرطِ استطاعت فرض قراردی گئی ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ایسی عبادتیں ہیں جو بذاتِ خود عبادت کا درجہ رکھتی ہیں۔

(ii) بالواسطہ عبادت

اس میں وہ تمام اعمال و معمولات اورحرکات و سکنات شامل ہیں جو بذاتِ خود تو عبادت نہیں ہوتی ہیں لیکن شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کی نیّت سے انہیں بجا لانا عبادت بن جاتا ہے۔ مثلاً کھانا، پینا، سونا، جاگنا، کاروبار کرنا اور دیگر سماجی ذمہ داریاں سرانجام دیناوغیرہ۔

(iii) مخصوص صلاحیت کا تحفظ

عبادت کی پہلی دوقسمیں عام تھیں لیکن عبادت کی یہ تیسری قسم ہر شخص کے لیے الگ مفہوم رکھتی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص صلاحیت رکھی ہوئی ہے جس میں وہ دوسروں سے منفرد ہے۔ یعنی کوئی خاص کام وہ عام لوگوں کی نسبت زیادہ بہتر طریقے سے سرانجام دے سکتاہے۔ اُس خاص صلاحیت کودریافت کرنا، اُسکا تحفظ کرنا، اُسے پروان چڑھانا اورماحول اورمعاشرے کی بہتری میں اُسے استعمال کرنا یہ سب کچھ بھی عین عبادت ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے ہو۔

انسانی تاریخ کا بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ ہر دور میں لوگوں کی اکثریت زندگی اس حال میں گذار رہی ہوتی ہے کہ اُنہیں پتہ تک نہیں چلتا کہ اُن کے اندر وہ خاص صلاحیت کونسی تھی جو قدرت نے رکھی ہوئی تھی۔ نتیجتاً وہ دنیا میں کوئی عظیم کامیابی حاصل نہیں کرپاتے اور تیسرے درجے کی معمولی سی زندگی گزار کر چلے جاتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اُس خاص صلاحیت کو کیسے دریافت کیاجائے؟ کیونکہ جب تک وہ صلاحیت انسان پر آشکار نہیں ہوتی تو اس کے لیے اسے شعوری طور پر بھرپور طریقے سے استعمال میں لانا ناممکن ہے۔ اس حوالے سے حضور علیہ السلام نے بڑا شاندار اُصول دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ.

”ہر شخص جس کام کے لیے پیدا ہوا، وہ اُس کے لیے آسان کردیا گیا ہے۔“

لہٰذا انسان اپنے من کی دنیا میں جھانک کردیکھے اوربنظرِ غائر جائزہ لے کہ وہ کون سا کام ہے جسے وہ دلچسپی اوررغبت سے کرتا ہے اورجس میں مشغول ہوکر اُسے وقت کے گذرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ انسان اگرکوشش کرے توبالآخر وہ اپنی مخصوص صلاحیت کودریافت کرسکتاہے اورایک دفعہ یہ چابی ہاتھ آجائے توپھرانسان ترقی کی اعلیٰ منازل طے کرکے دنیاوآخرت کی سعادتیں حاصل کرسکتاہے کیونکہ فطری صلاحیتیں کامیابی کی کُنجی ہیں۔

اقدارِ حیات کا تعین

نصب العین کا تعین اور اُس کے حصول کا لائحہ عمل طے کر لینے کے بعد ہمارے پاس زادِ راہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ بالفاظِ دیگر ہمارے لیے صرف منزل کے متعلق جان لینا اور اُس کی طرف جانے والے راستہ سے آگاہ ہوجانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایسے اسباب اور وسائل بھی ہونے چاہییں جن کے ذریعے خوش اسلوبی سے مسافت کو طے کیا جا سکے۔ ہمیں جان لینا چاہیے کہ زندگی کا سفر ہموارراستوں کا سفرنہیں ہے بلکہ اس سفر میں بہت سارے نشیب و فراز ہیں اور کئی قسم کی کھائیاں، گھاٹیاں اور ڈھلوانیں ہیں جہاں پھسلنے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ کہیں ٹیڑھے راستوں سے واسطہ پڑتاہے جہاں بھٹکنے کی صورت میں انسان منزل کے قریب ہونے کی بجائے منزل سے دور ہوتا چلا جا تاہے۔ پھرنفس امارہ اور شیطان کی صورت میں دو دشمن ہیں جو ہر لمحہ اُس کی منزل کوکھوٹا کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

لہٰذا نصب العین اور اُس کے حصول کا لائحہ عمل

طے کر لینے کے بعد کامیابی کے ساتھ اُس پر عمل پیرا ہونے کے لیے انسانی زندگی میں کچھ طے شدہ اصولوں اور سوچی سمجھی قدروں کا ہونا ضروری ہے جن کی صداقت وحقانیت پر اُس کا دل و جان سے ایمان ہو اور روزمرہ زندگی کے جملہ معاملات میں وہ درست راستے کی طرف اُس کی رہنمائی کر سکیں۔ تاکہ اُس کا ہر گزرنے والا لمحہ اُسے منزل کی طرف لے جانے کا باعث بن رہا ہو نہ کہ منزل سے دور ہٹانے کا۔ سطورِ بالا میں انہی اصولوں یا اقدار کو زادِ راہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ ایک بندۂ مومن کے لیے اس معاملے میں قرآن و حدیث ہی وہ سرچشمہ ہائے حیات ہیں کہ جن پر وہ آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتا ہے۔ اسلام کی جملہ تعلیمات کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کو زندگی گزارنے کے لیے رہنما اصول دیئے جائیں جو اُس کی دنیوی زندگی کو خوشگوار بنانے کے ساتھ ساتھ اُسے اُخروی سعادتوں سے بھی مالا مال کر دیں لیکن قرآن و حدیث کی تعلیمات بے شمار ہیں جن کو ہر وقت ذہن میں تروتازہ رکھنا اور اُن کے مطابق عمل کی جہتوں کو متعین کرنا ایک عام آدمی کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ لہٰذا بہت ضروری ہے کہ انسانی زندگی میں چند ایک طے شدہ اصول یا اقدار ایسی ہوں جنہیں ہر وقت یاد رکھنا اور عمل میں لانا آسان ہو۔ نیز وہ اتنے جامع ہوں کہ زندگی کے اُلجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے اور عمل کے زاویوں کو درست کرنے میں قدم بقدم انسان کی رہنمائی کر سکیں۔

امام ابوداؤدؒ (مولف سنن ابوداؤد) فرماتے ہیں کہ

سنن ابو داؤد میں چار حدیثیں ایسی ہیں جو ایک بندۂ مومن کے لیے اُس کے دین کے معاملے میں کافی ہیں۔

دوسری طرف امام اعظم، امام ابو حنیفہؒ نے اپنے بیٹے حماد سے فرمایا کہ

''میں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے تمہارے لیے پانچ حدیثوں کو منتخب کیا ہے اگر تم ان پانچ حدیثوں پر عمل کر لو گے تو گویا پورے دین پر عمل ہو جائے گا۔''

ان پانچ حدیثوں میں سے بھی چار وہی ہیں جو امام ابو داؤدؒ نے بیان فرمائی ہیں اور جہاں تک پانچویں کا تعلق ہے تو اُس پر بھی اُن چار کے ضمن میں ہی عمل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اُسے الگ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ان چار حدیثوں کو اگر دل و دماغ کی تختی پر نقش کر لیا جائے اور شب و روز کے جملہ اعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں ان کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو حیاتِ انسانی کا ایک ایک لمحہ عبادت بن سکتا ہے اور دنیا اور آخرت کی دونوں زندگیوں میں کامیابی و کامرانی حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ چار حدیثیں ہر زمانے کے ہر شخص کے لیے خواہ وہ کسی بھی ملک میں ہو اور کسی بھی شعبے میں ہو، اقدارِ حیات کا کام دے سکتی ہیں اور مومنانہ زندگی کی تصویر کو مکمل کرتی ہیں۔ یہ چار حدیثیں ذیل میں مختصر تشریح کے ساتھ درج کی جا رہی ہیں۔

پہلی حدیث: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''

یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز اس حدیث سے کیا۔ وجہ یہی تھی کہ جب اعمال کا دارومدار ہی نیت پر ہے تو نیت کا ٹھیک ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر نیت ٹھیک نہیں ہوگی تو عمل بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ بعض اہلِ علم نے اسے تہائی دین، بعض نے نصف دین اور بعض نے اسی کو کل دین قرار دیا ہے۔

انسان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی ارادہ کار فرما ہوتا ہے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہر عمل کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے سرانجام دے نہ کہ کسی بھی اور غرض و غایت سے۔ اسے کہتے ہیں نیت کا اللہ کے لیے خالص ہو جانا۔ نیت جب اللہ کے لیے خالص ہو جاتی ہے تو پھر انسان کا تھوڑا عمل بھی اللہ رب

العزت کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پا لیتاہے اور اُس پرزیادہ سے زیادہ اجروثواب مل جاتاہے۔ حضور ﷺ نے حضرت معاذبن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر رخصت کرتے وقت جو نصیحتیں فرمائیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ

اخلص دینک یکفیک العمل القلیل

''اپنے دین کو خالص کرلے (یعنی ہر کام کا مقصود ومطلوب اللہ کی رضا کو بنا لے) پھر تیرا تھوڑا عمل بھی کفایت کرے گا۔''

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔

رُبَّ عَمَلٍ صَغِیرٍ تعظِیمُه النیة ورُبَّ عَمَلٍ کَبِیرٍ تَصْغِیرُہٗ النیة.

''بعض اوقات عمل چھوٹا ہوتا ہے ،نیت اُس عمل کو بڑا بنا دیتی ہے اور بعض اوقات عمل بہت بڑا ہوتا ہے، نیت اُس عمل کے اجروثواب کوتھوڑا کر دیتی ہے۔''

یوں سمجھ لیں کہ نیت کا حسن رائی کے برابر عمل کے اجروثواب کو پہاڑوں کے برابر کرسکتاہے اور نیت کی خرابی پہاڑوں جیسے عمل کے اجروثواب کو رائی کے دانے کی سطح پر لاسکتی ہے۔عوام اور خواص (اولیاء ومقربین) میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اول الذکر لوگ عمل کی مقدار پر زیادہ زور دیتے ہیں جب کہ موخر الذکر لوگ مقدار سے کہیں زیادہ زورعمل کے معیار (اخلاص اورحسن نیت سے عمل بجالانے) پر دیتے ہیں۔

نیت کا عمل دخل فقط اتنا ہی نہیں کہ یہ عمل کے اجروثواب میں کمی بیشی کا باعث بنتی ہے بلکہ اچھی نیت خالص دنیا داری کے کام کو بھی عین عبادت بنا دیتی ہے جیسے کہ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق جہاد کی نیت سے پالے گئے گھوڑے کا گوبر اُٹھانا بھی اللہ کی بارگاہ میں باعثِ اجروثواب ہے۔اس کے برعکس نیت کی خرابی عین دین داری کے کام کو بھی دنیاداری بنا کر نہ صرف اجروثواب سے محروم کر دیتی ہے بلکہ اُلٹا عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے (العیاذ باللہ)۔ چنانچہ قرآن مجید نے نماز میں ریا کاری کرنے والوں کو تباہی و بربادی کی وعید سنائی ہے۔ اور ایک مشہور حدیث کے مطابق قیامت والے دن ایک شہید ،ایک عالم اور ایک سخی کو محض اس بنا پر جہنم میں بھیج دیا جائے گا کہ ان لوگوں نے اپنے اعمال میں اللہ کی بجائے مخلوق کوخوش کرنے کی نیت کی تھی۔

ہرعمل کی ایک ظاہری ہیئت (شکل وصورت) ہوتی ہے اور ایک اُس میں شامل باطنی نیت۔کسی بھی عمل کے باعثِ اجروثواب بننے کادارومدار اس بات پر ہے کہ ان دونوں میں موافقت پائی جا رہی ہو۔اگرکسی عمل کی ظاہری شکل تو پائی جا رہی ہولیکن باطنی نیت موجود نہ ہوتو اُس پرثواب نہیں ملے گا۔مثلاً

۱۔ اگرایک آدمی اپنا وزن کم کرنے کے لیے سارا دن کچھ کھا تا پیتا نہیں ہے اور نہ ہی بیوی کے قریب جاتا ہے تو اُس بندے کو روزہ دار نہیں کہیں گے گو اُس نے ظاہری طور پر روزے کے ارکان پورے کر دیئے چنانچہ اُسے اجروثواب بھی نہیں ملے گا۔مگر یہی کام وہ روزے کی نیت سے کرتاہے تو یہ اعلیٰ درجے کی عبادت بن جاتاہے۔

۲۔ اگرایک آدمی کوکسی نے تالاب میں دھکا دے دیا اور اُس کے سارے اعضاء وضودھل بھی گئے تو امام شافعیؒ کے نزدیک تو اُس کا وضو ہوگا ہی نہیں کیونکہ اُس نے وضو کی نیت نہیں کی تھی۔ البتہ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے بقول وضوء اُس کا ہو جائے گا اور وہ نماز پڑھ سکتا ہے لیکن اُسے وضوء کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اُس نے وضو کی نیت نہیں کی تھی۔

نیت کی تین صورتیں

نیت کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔حسنِ نیت سے عمل کرنا ۲۔نیتِ بد سے عمل کرنا

۳۔بغیر نیت کے عمل کرنا

پہلی دوصورتیں تو واضح ہیں۔تیسری صورت کا

مطلب یہ ہے کہ انسان کوئی عمل کر رہا ہو اور اُس میں کوئی خاص نیت (اچھی یا بری) شامل ہی نہ ہو۔ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اس اُمت کو نیتِ بد کے ساتھ عمل کرنے سے اُتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا نقصان بغیر نیت کے عمل کرنے سے پہنچا ہے۔ ہم اگر اپنے شب و روز پر غور کریں تو ہمیں صاف دکھائی دے گا کہ ہم روز مرہ کی زندگی میں بہت سے کام بغیر نیت کے کرتے ہیں اگر انہی کاموں میں اللہ کی رضا کی نیت سے کیا جائے تو وہ ثواب بن جاتے ہیں مثلاً

۱۔ ہر وہ بندہ جس کے ماں باپ زندہ ہیں وہ ہر دن میں درجنوں مرتبہ ماں باپ کے چہرے کو دیکھتا ہے لیکن اسی دیکھنے میں اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی نیت کر لی جائے تو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ہر مرتبہ دیکھنے میں ایک حج مقبول کا ثواب ملتاہے، چاہے ایک دن میں سومرتبہ دیکھے۔

۲۔ ہر خاوند بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور ہر بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے مگر اس مسکرانے میں خواہش کا پہلو غالب ہوتاہے ۔شریعت نے کہا کہ جب کوئی خاوند بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں لیکن یہ صورتِ حال تو تب ہی بنے گی جب دونوں کے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت شامل ہوگی۔

۳۔ رات کو سوتے وقت عام طور پر لوگ لباس تبدیل کرتے ہیں مگر یہ کام بالعموم اپنی خواہش اور سہولت کے تحت ہوتاہے یہی کام اگر حضور ﷺ کی سنت سمجھ کر کیا جائے تو عبادت بن جاتاہے ۔گویا یہاں عادت ہے مگر عبادت نہیں ہے۔ حسن نیت کے ساتھ اس عادت کو عبادت بنایا جا سکتاہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ہم مذکورہ بالا حدیث کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے دن رات کی وہ تمام وہ سرگرمیاں جو حدودِ شرع میں رہتے ہوئے سرانجام دیتے ہیں (خواہ وہ دینی ہوں یا بظاہر دنیوی) اُن میں اپنی نیت کو درست کر لیں تو وہ سب کی سب عبادت بن سکتی ہیں۔ اور ہم چوبیس گھنٹے کے عبادت گزار بن سکتے ہیں۔ گویا ہمارا کھانا، پینا، پہننا، سونا، جاگنا، ہنسنا، رونا، کاروبار کرنا، بیوی بچوں کی پرورش کرنا اور دیگر تمام سماجی کام سرانجام دینا حتی کہ جینا مرنا سب کچھ عبادت بن سکتے ہیں اور یہی ایک بندۂ مومن کا مقصدِ حیات اورمنتہائے کمال ہے۔

دوسری حدیث

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَايَعْنِيْهِ.

’’انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لا یعنی کو ترک کردے‘‘

لایعنی سے مراد ہر وہ کلام اورکام ہے جو فضول اور بے مقصد ہو۔ جس کا کوئی بھی فائدہ نہ تو دنیوی زندگی کے حوالے سے ہو اور نہ ہی آخروی زندگی کے حوالے سے۔ ایسے کاموں میں مشغول ہونے کا مطلب اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے اور وقت کو ضائع کرنا درحقیقت اپنی زندگی کو بلکہ خود اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے جس کا ایک بندۂ مومن متحمل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے کامیاب مومنوں کی علامات میں سے ایک علامت یہ بتائی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ. (المومنون:۳)

’’اور وہ لوگ لغو (فضول اور بے ہودہ باتوں) سے اجتناب کرتے ہیں‘‘

دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا. (الفرقان:۷۲)

’’اور جب وہ لغو کے قریب سے گزرتے ہیں تو باوقار طریقے سے گزرجاتے ہیں‘‘

دنیا کی زندگی میں انسان کے پاس سب سے قیمتی دولت وقت ہی ہے جتنی زیادہ اس کی قدر کی جائے گی اُتنا ہی زیادہ انسان کامیاب ہوگا اور جتنا اسے ضائع کیا

جائے گا اُتنا ہی ناکام و نامراد ہوگا۔

زندگی محدود ہے اور کام بے شمار ہیں۔ ایسی حالت میں یہ بہت ضروری ہے کہ انسان اپنے وقت کے ایک ایک لمحے کو سوچ سمجھ کر استعمال کرے۔ فضول اور بے کار کاموں سے بچتے ہوئے اسے ضروری اور کار آمد کاموں میں استعمال کرے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ وقت سے کام لینے والے اس تھوڑی سی زندگی میں موجد بن گئے، فلاسفر بن گئے، بزرگ اور ولی بن گئے، غرض دین و دنیا کے مالک بن گئے لیکن جن لوگوں نے وقت کو بے کار ضائع کیا وہ محرومیوں، مایوسیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کا شکار ہو کر رہ گئے اور تیسری درجے کی انتہائی حقیر اور کیڑوں مکوڑوں والی زندگی گزار کر بالآخر گمنامی کے قبرستان میں دفن ہو گئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

نِعمَتَانِ مَغبُونٌ فِیهِمَا کَثِیرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب لا عیش إلا عیش الآخرة، رقم: ٦٠٤٩)

’’دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں۔ ایک صحت اور دوسری فراغت۔‘‘

آج ہماری بہت ساری پریشانیوں اور بدحالیوں کا سبب وقت جیسی انتہائی قیمتی دولت کو بڑی بے دردی سے ضائع کرنا ہے۔ لوگوں کی اکثریت ہر روز اپنا بہت سارا وقت فضول اور بے فائدہ کاموں مثلاً ٹی وی، ڈراموں، فلموں، کھیل تماشوں وغیرہ جیسی خرافات و واہیات میں ضائع کرتی چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے ایک طرف تو مفید، بامقصد اور ضروری کاموں کو کرنے کی صلاحیت زنگ آلودہ ہوتی چلی جاتی ہے اور دوسری طرف ان کاموں کے لیے وقت بھی بہت کم بچتا ہے۔ نتیجتاً زندگی محرومیوں کا شکار ہو کر کانٹوں کا بچھونا بنتی چلی جاتی ہے۔ لہٰذا دنیا و آخرت کی سرفرازیوں کو حاصل کرنے کے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم وقت کی قدر کرنا سیکھیں۔ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں فضول اور بے فائدہ کاموں سے اپنے اوقات کو بچاتے ہوئے حتی الوسع مفید اور کار آمد کاموں میں استعمال کرتے ہوئے حیاتِ دنیوی کے ہر ہر لمحے کو قیمتی بنائیں۔

تیسری حدیث

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَ بَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَءَ لِدِیْنِهٖ

’’حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبھات (شبہ والی چیزیں) ہیں۔ پس جس نے اپنے آپ کو مشتبھات سے بچا لیا اُس نے اپنے دین کی حفاظت کر لی۔‘‘

نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صدقہ و خیرات، سچ بولنا، وعدہ پورا کرنا، امانت کی حفاظت کرنا وغیرہ وغیرہ جیسی چیزیں واضح طور پر حلال ہیں جن پر ہمیں کار بند ہونا ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ، چغلی، غیبت، چوری، ڈاکہ، سود، زنا، خیانت اور شراب نوشی وغیرہ جیسے بہت سارے کام ہیں جن کا حرام اور ناجائز ہونا ہمارے اُوپر واضح ہوتا ہے اور اُن سے بچنا ہے لیکن انسانی زندگی میں قدم قدم پر ایسے مواقع آتے ہیں جہاں ایک کام کا حلال یا حرام ہونا ہمارے اوپر واضح نہیں ہوتا اور ہمیں پتہ نہیں چل رہا ہوتا کہ وہ جائز ہے یا ناجائز۔ اُس کے حوالے سے ذہن تردد اور انتشار کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ دل اور دماغ کے درمیان یا عقل اور ضمیر کے درمیان ایک جنگ سی شروع ہو جاتی ہے۔ ہمارے نفس کی خواہش، طبیعت کا تقاضا یا کوئی اور مصلحت ہمیں اُس کام کے کرنے پر آمادہ کر رہی ہوتی ہے جبکہ ضمیر کی خلش اُس سے روک رہی ہوتی ہے۔ ایسے تمام مواقع پر تقویٰ کا کمال یہ ہے کہ انسان رُک جائے اور ایسے کاموں کے کرنے سے اجتناب کرے۔ جس نے ایسے کاموں سے اپنے آپ کو روک لیا اُس نے گویا اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کر لی اور جو ایسے کاموں کو کر گزرے گا وہ بالآخر اُن

کاموں کو بھی کرنے لگے گا جو واضح طور پر حرام اور ناجائز ہوں گے اور نتیجتاً اپنے دین اور ایمان کو تباہ کر لے گا اور گمراہی کے راستوں پر چل پڑے گا۔

حضور ﷺ نے ایک اور حدیثِ مبارکہ میں اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ

''جو چیز تجھے شبہ میں ڈالے اُسے چھوڑ دے اور اُس کو اپنا لے جو شبہ میں ڈالنے والی نہ ہو۔'' (یعنی جس کا جائز اور حلال ہونا یقینی ہو)

لہٰذا اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے اور زندگی کو راست روی پر قائم رکھنے کے لیے ہمیں اس حدیثِ مبارکہ کو بھی زندگی کی ایک لازمی قدر کے طور پر اپنانا ہے تاکہ زندگی ہر قسم کی گمراہیوں سے پاک ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکے اور ہم دنیا و آخرت کی فلاح و سعادت سے ہمکنار ہو سکیں۔

چوتھی حدیث

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ.

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے''

اسلام کی جملہ تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔حقوق اللہ　　　　۲۔حقوق العباد

حقوق اللہ: وہ معاملات جو فقط اللہ اور بندے کے درمیان ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، حج و دیگر عبادات

حقوق العباد: وہ معاملات جو اپنے اردگرد میں بسنے والے انسانوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

جہاں تک بیان کا تعلق ہے تو اُس میں حقوق اللہ پہلے آتے ہیں اور حقوق العباد بعد میں لیکن عملی اعتبار سے حقوق العباد کی اہمیت حقوق اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جو حقوق اللہ ہیں وہ تو صرف حقوق اللہ ہی ہیں جو صرف اللہ اور بندے کے درمیان ہیں اور اُن میں کوئی تیسرا فریق براہِ راست شامل نہیں ہے لیکن جو حقوق العباد ہیں وہ فقط حقوق العباد ہی نہیں بلکہ حقوق اللہ بھی ہیں کیونکہ بندوں کے جتنے حقوق ایک دوسرے کے اوپر ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ نے ہی مقرر فرمائے ہیں۔ لہٰذا اُن کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے لوگوں کے لیے حقوق اللہ کی نسبت حقوق العباد کو ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم روز مرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ بہت سارے لوگ جو نماز، روزے وغیرہ کے پابند ہوتے ہیں لیکن دوسرے لوگوں کے ساتھ اُن کا رویہ اسلامی تعلیمات کے برعکس ہوتا ہے گویا وہ حقوق العباد کے معاملے میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معاشرے کے اندر جتنے بھی لڑائی، جھگڑے، فساد، نفرتیں، عداوتیں اور کدورتیں ہیں اُن سب کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق تو پورے پورے حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن دوسروں کے حقوق بطریقِ احسن ادا کرنے سے گریز کرتا ہے یہیں سے معاشرتی زندگی میں ناہمواریوں، محرومیوں اور خرابیوں کا آغاز ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں حقوق العباد کی ادائیگی کے حوالے سے بہت تاکید کی گئی ہے اور اس کی مختلف جہتوں کے متعلق تفصیلات و جزئیات تک بیان کی گئی ہیں تاہم مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں جو اصول دیا گیا ہے، اِس ایک اصول کو تھام لیا جائے تو یہ اکیلا ہی انسان کو اس سلسلے کی بقیہ تعلیمات سے بے نیاز کرنے کے لیے کافی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حقوق العباد کے معاملے کو ایمان کیساتھ منسلک کیا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ کوئی شخص اُس وقت تک ایمان کی

حقیقت یا ایمان کے کمال کو نہیں پا سکتا جب تک اُس کا حال یہ نہ ہو جائے کہ وہ ہر معاملے میں جو کچھ اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی کچھ اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کرے۔

حقوق العباد کے حوالے سے جتنی بھی کوتاہیاں ہوتی ہیں اُن سب کی بنیاد یہ ہے کہ انسانی نفس کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنے لیے تو ہر خیر کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور ہر شر سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے لیکن دوسروں کے معاملے میں وہ ایسا نہیں چاہتا ہے چنانچہ دوسروں کے ساتھ ہر قسم کے ظلم، زیادتی اور حق تلفی کو جائز سمجھ لیتا ہے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ جو سلوک، رویہ اور برتاؤ انسان دوسروں سے اپنے لیے چاہتا ہے وہی طرزِ عمل اُسے دوسروں کے ساتھ اپنانا ہوگا اور جو سعادتیں اور بھلائیاں انسان اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے کہ اُسے حاصل ہوں ویسی ہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرنا ہوں گی۔ گویا اُسے دوسروں کا اُسی طرح ہمدرد، خیرخواہ اور مخلص بننا ہوگا جیسا وہ اپنی ذات کے ساتھ ہے۔ اس ایک اصول کو اگر اپنا لیا جائے تو ایک طرف تو انسان ایمان کے کمال کو پا لیتا ہے اور دوسری طرف معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

مندرجہ بالا چار حدیثوں کو پورے دین کا خلاصہ قرار دیا جا سکتا ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے پورے دین پر چلنا آسان ہوجاتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

پہلی حدیثِ مبارکہ......تصحیح اعمال کے بارے میں ہے

دوسری حدیثِ مبارکہ......تصحیح اوقات کے بارے میں ہے

تیسری حدیثِ مبارکہ......حقوق اللہ کے بارے میں ہے

چوتھی حدیثِ مبارکہ......حقوق العباد کے بارے میں ہے

جب اعمال کی تصحیح بھی ہوجائے، اوقات کی تصحیح بھی ہوجائے، حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی درست طریقے سے ادا ہونے لگیں تو گویا پورے دین پر عمل ہوجاتا ہے اور ہر ہر معاملے میں انسان کے لیے صحیح طرزِ فکر اور طرزِ عمل کو اپنانا آسان ہوجاتا ہے۔ زندگی آوارگیوں اور پراگندگیوں سے نجات پانے لگتی ہے، عمل کے زاویے درست ہونے لگتے ہیں اور دنیا و آخرت کی بلندیوں اور کمال کو حاصل کرنے کی طرف انسان کا سفر شروع ہوجاتا ہے۔

عملی مشورہ جات

کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات میں سے دوسری عادت ''انجام پر نظر رکھنا'' پر بہترین انداز میں عمل پیرا ہونے کے لیے اور اس سے بھرپور استفادہ کرنے کے لیے چند عملی مشورہ جات درج ذیل ہیں۔

۱۔ دوسری عادت ''انجام پر نظر رکھنا'' کی بنیاد پہلی عادت ''ذمہ داری قبول کرنا'' ہے۔ جب تک ہم پہلی عادت ''ذمہ داری قبول کرنے'' پر صحیح طریقے سے عمل پیرا نہیں ہوں گے تب تک دوسری عادت ''انجام پر نظر رکھنا'' سے کماحقہ استفادہ ممکن نہیں ہوگا۔ لہٰذا ایک مرتبہ واپس پلٹ کر دیکھیں کہ آپ نے پہلی عادت کو کس حد تک اپنی فکر اور عمل کا حصہ بنا

اظہارِ تعزیت: گذشتہ ماہ محترم محمد وسیم افضل قادری (سیکرٹری DFA) کے کزن، محترم علی عمران (جاپان) کے والد محترم، محترم حافظ عبدالمصطفیٰ نعیم (ناگویا۔ جاپان) کی والدہ محترمہ، ناظم مالیات MQI فرانس کی والدہ محترمہ، محترم سید زاہد احمد ہاشمی (کوٹ رادھا کشن) کے بیٹے، محترم سعید احمد (کوٹ رادھا کشن) کے برادر نسبتی محمد یعقوب، محترم سید امداد علی شاہ گیلانی (مانسہرہ)، محترم محمد فیاض اعوان (مکۃ المکرّمہ) کے والد محترم، محترم عبدالوحید چودھری (رحیم یار خان) کے بڑے بھائی، محترم محمد نواز خان (رحیم یار خان) کی والدہ محترمہ، محترم محمد حبیب (منہاج آٹوز راولپنڈی) کی ہمشیرہ اور محترم میاں سعید (رحیم یار خان) کے والد محترم قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل و اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

لیا ہوا ہے۔ اس حوالے سے جو کمی ہو، اسے دور کریں۔

۲۔ دوسری عادت ''انجام پر نظر رکھنا'' کی تمام تفصیلات کو بار بار غور سے پڑھیں۔ فقط ایک مرتبہ پڑھ لینے سے ساری باتیں ذہن میں جذب نہیں ہوجاتیں۔ لہٰذا بار بار پڑھیں اور جتنے اہم نکات بیان ہوئے ہیں اُنہیں خوب غور وفکر سے دل ودماغ میں نقش کریں اور عمل کے سانچے میں ڈھالیں یہاں تک کہ وہ آپ کی عادت بن جائیں۔

۳۔ زندگی میں اپنے مختلف کرداروں کے بارے میں غور کریں۔ (مثلاً باپ، بھائی، بیٹا، شوہر، کسی دفتر میں باس یا کارکن ہونا، معاشرے کا ایک رکن ہونا وغیرہ وغیرہ) اور دیکھیں کہ کیا آپ اپنے تمام کرداروں کے ساتھ انصاف کر رہے ہیں اور جس حوالے سے آپ کی جو جو ذمہ داریاں ہیں اُن کی ادائیگی کے حوالے سے مطمئن ہیں۔ نیز کیا اُن میں توازن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ جہاں جہاں کمیاں دکھائی دیں اُنہیں دور کرنے کی کوشش کریں۔

۴۔ کسی فارغ وقت میں گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے من میں ڈوب کر زندگی کے سراغ کو پانے کی کوشش کریں۔ اپنی انفرادیت کے بارے میں سوچیں اور اپنے آپ کو یقین دلائیں کہ آپ پوری کائنات میں ایک منفرد وجود ہیں جس کی طرح کا انسان نہ پہلے کبھی آیا ہے اور نہ بعد میں آئے گا۔ آپ کا ایک اپنا کردار ہے جو فقط آپ کو ہی ادا کرنا ہے۔ کوئی بھی دوسرا شخص اُس کردار کو ادا نہیں کر سکتا۔ اُس کردار کو ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مخصوص صلاحیتیں دے رکھی ہیں اُنہیں دریافت کریں۔ اُن پر محنت کر کے اُنہیں نکھاریں اور اپنی اور معاشرے کی اصلاح و فلاح کے لیے اُنہیں بھرپور طریقے سے عمل میں لانے کا عزم کریں۔

۵۔ اپنی اب تک کی زندگی کا بغور جائزہ لیں کہ کیا کھویا ہے اور کیا پایا ہے۔؟ اپنی آج تک کی کامیابیوں اور ناکامیوں کی فہرست مرتب کریں۔ ماضی کی غلطیوں، کوتاہیوں اور گمراہیوں کو کھلے دل سے تسلیم کریں اور آئندہ اُن کی اصلاح کا عزم کریں۔ اپنی خوبیوں اور خامیوں کو پہچانیں، پھر خامیوں پر قابو پانے اور خوبیوں کو مزید نکھارنے پر محنت کریں۔ ماضی کے تمام نقصانات اور محرومیوں پر جلنے اور کُڑھنے کی بجائے وہاں سے قیمتی اسباق کشید کریں اور اُن کی روشنی میں بہترین لائحہ عمل مرتب کر کے ثابت قدمی اور استقامت سے اُس پر گامزن ہوجائیں۔ ان شاء اللہ العزیز کامیابی وکامرانی آپ کے قدم چومے گی۔

حرفِ آخر کے طور پر یہ بات یاد رکھیں کہ جو کچھ بھی آپ آج تک کھو چکے ہیں اُس سے بہت زیادہ پانے کے لیے اب بھی موجود ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ماضی کے نقصانات پر دل گرفتہ نہ ہوں۔ ماضی پر پچھتانے کی بجائے اُسے صرف سبق سیکھنے کا ذریعہ بنائیں۔ پھر اُن حاصل شدہ تجربات کی روشنی میں مردانہ وار آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی ومددگار ہوگا اور جو کچھ آپ ماضی کے اندر کھو چکے ہیں اُس سے بہت زیادہ مستقبل میں پا لیں گے۔ (ان شاء اللہ العزیز)

علامہ محمد اقبال اور پیغام وحدت امت

حافظ شکیل احمد طاہر

''پیغام وحدت امت'' خالصتاً فکر اسلامی ہے جس پہ کوئی وہم کا گذر بھی نہیں۔ تصورِ اتحادِ امت اسلامی تصور ہے جس کا مرکزی نقطہ انفرادیت کو اجتماعیت میں ضم کرنا ہے۔ حضرت اقبال نے جب یورپی قومیت کا پورے طریقے سے تجزیہ کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قومیت ایک سیاسی نظام کی حیثیت سے غیر انسانی نظام ہے۔ یورپ سے انہوں نے اس کے عملی نتائج دیکھے تو انہیں یہ خدشہ ہوا کہ یہ جذبہ اسلامی ممالک کے لئے نہایت خطرناک ہے۔ جب ترکوں کے خلاف عرب ممالک نے انگریزوں کو مدد دی تو ان کو واضح ہوا کہ یہ حیلہ کارگر ہے۔ اقبال طویل مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ وطنیت، وحدتِ ملت کے راستے کا پتھر ہے۔ سو آپ نے تصورِ قومیت (Concept of nationality) کے مفاسد، قبائح، عواقب واضح کئے اور تصور ملت واضح کیا۔ حرفِ اقبال، نثر اقبال میں رقم ہے کہ خود حضرت اقبال فرماتے ہیں:

''میں یورپ کے پیش کردہ نیشنلزم کا مخالف ہوں۔ اس لئے کہ مجھے اس تحریک میں مادیت اور الحاد کے جراثیم نظر آتے ہیں اور یہ جراثیم میرے نزدیک دور حاضر کی انسانیت کے لئے شدید ترین خطرات کا سرچشمہ ہیں۔ اگرچہ وطن سے محبت ایک فطری امر ہے لیکن اس عارضی وابستگی کو خدا اور مذہب سے برتر قرار نہیں دیا جاسکتا''۔

انگلستان میں جدید وطنیت کا تصور 17ویں صدی کے آغاز سے ابھرا۔ امریکہ میں قوم پرستی کا تصور اٹھارویں صدی میں نمو پذیر ہوا۔ اب یہ تاریک رات کسی نہ کسی صورت میں تمام عالم کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ کہیں ذات پرستی کا سیل بیکراں انسانی قدروں کو بہالے جارہا ہے۔۔۔ کہیں نسل پرستی کا زہر جڑیں کاٹ رہا ہے۔ آج کے مسلمان حکمران بھی اسی سے متاثر ہوکر یہی نعرہ آلاپ رہے ہیں۔ کہیں رنگ و روپ کا طوفان سارے عالم کی بنیادیں مسمار کررہا ہے۔ یہاں Red Indian، Black Indian کا ذکر ہی کیا۔۔۔ ہم مسلمانوں کے حالات کیا ہیں۔۔۔ ناگفتہ بہ ناگفتہ بہ قبائلیت کا جکڑ بند ہمارے انگ انگ کو جکڑے ہوئے ہے۔ طبقاتیت اور جغرافیت کے عفریت پھر سے سر اٹھارہے ہیں۔

پیغامِ وحدتِ ملت، پیغام اتحادِ امت، تصورِ ملتِ بیضا، فکرِ ملتِ احمد مرسل ﷺ، شعر و نثر اقبال میں جابجا ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہے اور اس کو افکار و تصوراتِ اقبال میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ اس تصور کا مرکزی نقطہ فرد و ملت کا ربط۔۔۔ خودی کا بے خودی ہونا۔۔۔ قطرے کا قلزم ہونا۔۔۔ کوکب کا کہکشاں شمار ہونا۔۔۔ موتی کا لڑی میں پرویا جانا ہے۔ نفئ قومیتِ

جدیدہ اور اثباتِ ملتِ اسلامیہ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک سلبی اور دوسرا اثباتی ہے۔ آیئے کلام اقبال میں ان دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

1۔ نفئ قومیتِ جدیدہ

حکیم الامت شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ اگرچہ ابتدائی دنوں میں جغرافیائی اور وطنی قومیت کے قائل تھے بلکہ اس کے پرچارک تھے۔ ان کا کلام ''ہندی ہیں ہم سارا ہندوستان ہمارا'' اس کا ایک ثبوت ہے۔ بعد ازاں یورپ کے تعلیمی سفر میں انہوں نے احوالِ یورپ کا عمیق جائزہ لیا تو قومیت کے تمام پہلوؤں کا تجزیہ کیا۔ اس کے مفاسد، قبائح، اثراتِ بد سامنے آئے۔ بعد ازاں تصورات اسلام کا تقابلی تجزیاتی مطالعہ نے ان کی سوچ کا رخ موڑ دیا۔ نفئ قومیتِ جدیدہ کا ہندوستان میں جس شدومد کے ساتھ آپ نے ردو ابطال کیا، وہ آپ کا خاصہ ہے۔ یہی تصور، تصور پاکستان کا اساسی نقطہ قرار پایا۔ آپ کے شعر، نثر، خطوط، مضامین، ملفوظات، خطبات کا بیشتر حصہ اسی تصور کی توضیح، تشریح، تنقیح، تعبیر کیلئے موجود ہے۔ قومیت جدیدہ کی نفی وردو ابطال کے لئے فکر اقبال میں مطالعہ کریں تو آپ نے درج ذیل تمام گوشوں کا احاطہ کیا اور کوئی پہلو تشنہ لب نہ چھوڑا۔

۱۔ وطنیت (Patriotism)

۲۔ قومیت (Nationalism)

۳۔ نسلیت (Creedism)

۴۔ طبقاتیت (Classism)

۵۔ لونیت (Colourism)

۶۔ لسانیت (Languagism)

۷۔ قبائلیت (Traiblism)

۱۔ وطنیت (Patriotism)

عہد جدید کا عظیم بت، وطن پرستی ہے۔ اس کو دور حاضر میں یوں عام کیا گیا کہ اس کے ذریعے تصورِ ملت، تصورِ امت کو منہدم کردیا جائے۔ حبِ وطن میں کوئی مضائقہ نہیں اگر دین و مذہب محلِ نظر نہ ہو۔ اقدارِ اسلامیہ ثانوی ہوکے نہ رہ جائیں۔ اس سلسلہ میں حضرت اقبال نے وہ قلمی اور عملی جہاد کیا جو کسی اور نے نہ کیا۔ جب ''ملت از وطن است''، ملت وطن سے ہے اور ''ہمہ ملت ہندیہ''، است ہم ہندی ملت ہیں کہ بازگشت سنائی دی تو آپ اس کے خلاف سینہ سپر ہوگئے۔ دلائل و براہین، شواہد، قرائن کا انبار لگادیا۔ منبر پر بیٹھے والوں نے گمراہ گری کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر آپ نے تصورِ قومیتِ اسلامیہ کو خوب اجاگر کیا اور ہر حیلے، حملے کے تار و پور بکھیر دیئے اس حد تک مطلع صاف کردیا کہ آج تک ان لوگوں سے جواب بن نہیں پڑا۔ فرماتے ہیں:

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا وطن اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

کہیں وطنیت کے اس بتِ باطل کو ضربِ اسلام سے یوں خاک کیا:

ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم
چوں نگہ نور و چشمیم و یکیم

''ہم مشرق و مغرب میں رہنے والے کلمہ وطن کی زنجیر سے آزاد ہیں۔ ہم ایک چہرے کی آنکھیں ہیں، ایک نور وایک روشنی ہیں''۔

یہ تصور کہاں سے ماخوذ ہے؟ اصل میں خیابان مصطفی ﷺ کی خوشہ چینی ہے۔ ایسے اقبال دان تو عام پائے جاتے ہیں جو فکر اقبال کو یورپ کے افکار کے دامن میں تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ ''روزگار فقیر'' میں وجیہ الدین فقیر اقبال کا یہ جملہ لکھتے ہیں کہ لوگ مجھے ڈھونڈتے پھریں گے یونیورسٹی کی سیڑھیوں میں جبکہ میں سید میر حسن

شمس العلما کے قدموں میں ہوں۔

نفیٔ وطنیت کے سلسلے میں آقائے دوعالم، سرکار ابد قرار ﷺ کے فرمان کی طرف اشارہ یوں کیا۔ ''بلال از حبش صہیب از روم سلمان از فارس'' اسی اگر ہم خیرالتابعین حضرت اویس قرنیؓ کی طرف نگاہ دوڑائیں تو وہ یمنی ہیں۔ بخاری شریف کے اوراق پر انوار گواہ ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ طریق خطاب تھا ''سیدنا بلالؓ''، بلالؓ ہمارے سردار۔۔۔ وہ عرب جو وطنیت کے گرویدہ تھے ان کی رگوں سے اس تصور کو مٹا دیا۔

۲۔قومیت (Nationalism)

تصور جغرافیت آج ایسا تصور ہے جس نے نفرت، تنفر، بیزاری، ناپسندیدگی کا طوفان برپا کیا۔ مشرقیت مغربیت میں یہ نفرت فروغ نعرہ آپکو عام ملے گا۔ اس تقسیم انسانیت نے وہ ستم ڈھائے جو ناقابل فراموش ہیں۔ آج **الکفر ملتہ واحدۃ** کے تصور کی اساس بھی یہی مغربیت و مشرقیت ہے۔ ہزارہا تقسیمات، رنگ ونسل، خون ونسب، قوم وطن، امیروغریب میں بٹے ہوئے آج اسلام دشمنی میں ایک ہیں۔ مگر ہم ایک کیوں نہیں؟ **الاسلام ملۃ واحدۃ** کیوں نہیں، اس پہ حضرت اقبال نے کیا ارشادات فرمائے:

قلب ما از ہند و روم و شام نیست
مرزبوم بجز اسلام نیست

مرا دل ہند، روم اور شام میں قید نہیں ہے، میرا وطن اسلام ہے۔

ہیچو سرمایہ از باراں مجوہ
بیکراں شو در جہاں پایاں مجوہ

بارش کے قطرات سے سبق اندوز ہو۔ وہ خودی، انفرادیت ترک کرکے دریا میں گم ہوتا ہے۔

از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنم یک صبح خندانیم کا

جغرافیائی حد بندیوں سے باہر نکل، حجاز وچین، ایران وروم سے نکل، ایک مسکراتی صبح کے شبنم کے قطرات بنو، جز بندیاں چھوڑو۔

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہوجا

صورت ماہی بہ بحر آباد شو
یعنی از قید مقام آزاد شو

مچھلی کی طرح سمندر آباد ہوجا اور مقامات کی تہہ کو قلیتاً ترک کردے۔

۳۔نسلیت (Creedism)

نسلوں پہ قوموں کی بنا قدیمی ہے۔ نسلوں کا تصادم ہر دور میں پایا گیا۔ فکرِ انبیاء ومرسلین عظام نے اس بت کو پاش پاش کیا۔

دنیا کی دیگر اقوام میں گورے کالے، اعلیٰ نسل، کم تر نسل کا تصور سرایت کئے ہوئے ہے۔ افسوس! آج ہم بھی اسی نہج میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ نسل پرستی کا صنم ہماری بغلوں میں بھی ہے۔۔۔ ذات پات کا نظام ہم کیا کم ہے۔۔۔؟ ہم میں برہمنوں کی کیا کمی ہے۔۔۔ وحدت کا تصور کیونکر ابھرے۔۔۔ ہم اپنی خودساختہ برتریوں سے تائب ہونے کو تیار نہیں۔ کسی نہ کسی صورت میں یہ تصور ہمارے Sub-Conscious Mind میں موجود ہے۔

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہوجا

اگر نسب را جزوِ ملت کردہ
رخنہ درکارِ اخوت کردہ

عشق در جان و نسب در پیکر است
رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

اگر بنائے ملت نسب پہ رکھیں تو تصور اخوت پارہ پارہ ہوجائے گا۔ عشق سرکار دو عالم ﷺ، راحت کون ومکاں اگر جان وجسم، نسل ونسب کے پیکر میں نہ ڈھلے تو چہ مسلمانی؟

کہ یہ تعلقِ محبتِ رسول ﷺ سب رکن سے محکم تر اور مضبوط تر ہے، اسی کو حضرت ملا جامی امام عاشقاں نے فرمایا:

بندۂ عشق شوی ترکِ نسب کن جامی
دریں جا فلاں ابن فلاں چیزے نیست

جامی عشق کا بندہ بن اور نسب کے تصورات کو ترک، کر اس مقام پہ فلاں بن فلاں کچھ بھی نہیں۔

۴۔ طبقاتیت (Classism)

آج ہم تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزر رہے ہیں۔ اتحاد کی جو ضرورت آج ہے وہ شاید پہلے نہ تھی لیکن اسلام کو لخت لخت کرنے والے پہلوؤں میں ایک تصور طبقاتیت ہے اور طبقہ پسندی سے قومی تصور ابھارے جارہے ہیں، وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ طبقاتیت (امارت وغربت) مرضِ لاعلاج کی صورت میں جسمِ وحدت کو لاحق ہے۔ ہزار دینی شوق کے لوگوں کو ملیں لیکن کم تری و برتری انکی فطرت ثانیہ ہے۔ دین تو وحدت کا نام ہے اور وہ وحدت، وحدتِ تقویٰ ہے۔ اپنے بتان نفس کی تسکین کے بعد دین داری کا تڑکا لگانے والو ہوش میں آؤ۔ یہ طبقاتیت ہمیں ایک ہونے نہیں دیتی۔

تمیز آقا و بندہ فساد آدمیت ہے
حذر ہے چیرہ دستاں سخت ہے فطرت کی تعزیریں
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

حضرت حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کے قلب و ذہن پر فرامین نبوی کنندہ تھے۔۔۔ انما تنصرون وترزقون بضعائکم بے شک تم مدد کئے جاتے ہو اور رزق دیئے جاتے ہو اپنے کمزوروں کے صدقے۔۔۔ الفقر فخری فرما کر زبانوں کو قفل لگادیا۔۔۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقکم نے تمام معیارات باطلہ، تصورات خود ساختہ کو زمین بوس کردیا۔ غربت و امارت کسی کو محترم و غیر محترم نہیں کرتے۔ غربت اور امارت دونوں ایزدی امتحانات کی صورتیں ہیں۔ ہماری اخوت، دوستی، قربت کیونکر وجود میں آئے؟ ہمارا معیارِ دوستی غربت و امارت پہ استوار ہے۔ وہ نئی نسل کو تو فرمارہے تھے۔ ؎ خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر۔

۵۔ لونیت (Colourism)

گورے کالے کی تقسیم ایک ایسا ناسور جس کا علاج دنیا کے کسی فلسفے، کسی تصور، کسی نظام نے حل نہ کیا۔ اتحادِ مسلم کے راستے کا سنگ گراں بتانِ رنگ وخوں ہیں مفکرین عالم سر پکڑ کے بیٹھے ہیں اور حل ملتا نہیں۔۔۔ ہاں حل اس کا ہے وہ جو مکین گنبد خضریٰ ﷺ نے عطا فرمایا۔ اپنے وجود مسعود کا گرویدہ کرکے۔۔۔ اپنی زلفان مشک بار کا شیدا کرکے۔۔۔ اپنی چشمان مازاغ کا اسیر کرکے۔۔۔ اپنے چہرہ والشمس والقمر کا عاشق کرکے۔۔۔ اپنے حسن تابدار کا غلام بے دام کرکے تمام حسنوں کو مانند کردیا۔ ان کو طلب رہی تو ایک

النظر علی وجه النبی.

''ہمہ وقت چہرۂ نورفزا کو تکتے رہنا''۔

کآنی انظر الی بیاضه.

''ایسے جیسے میں اس کی سفیدی کو ہی دیکھے جارہا ہوں''۔

کان الشمس تجری فی وجهه.

''جیسے آفتاب کی روشنیاں چہرہ مبارک میں چھلکیں''۔

ما رایته احسنه من قبل ولا بعد.

''میں نے آپ سا حسین پیکر، نہ پہلوں میں دیکھا نہ بعد والوں میں''۔

یہ ہی تصور رنگ ونسل کے عفریت کو ابدی نیند سلانے کا باعث ہوگی۔

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

رنگ و بو کا فرق مجھ پہ حرام ہے کہ میں ایک بہار (اسلام) کا پالا ہوا ہوں۔ میں وحدت کی لڑی میں ہوں۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی
بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

۶۔ لسانیت (Languagism)

زبانوں کی تفریق اور تفاخر نے ہمارا جینا محال کردیا ہے۔ ہر زبان اہل اسلام کی ہے۔ ہاں عربی کو فضیلت حاصل ہے کہ **لسان الله عربی، لسان رسول الله عربی، لسان اهل الجنة عربی** لیکن اس کا قطعاً معنی دوسری زبان کی تحقیر، اہانت، کم تری کا تصور نہیں۔ سرکار دو جہاں، والی انس وجاں ﷺ نے فارسی کو شرف بخشا فرمایا:

یاعلی شکم اندر درد است
قم فصلی ان فی الصلوت شفاء

عربی، اوروں کو عجمی جانتے اور بنائے فخر مانتے اس کو اگر نابود کیا تو رحمت عالم ﷺ نے کیا۔ دنیا کا کوئی مذہب، دین، فلسفہ اتنا وسیع تر تصور پیش نہیں کرسکتا۔ حضرت اقبال پنجابی اصل ہیں۔ کلام کثرت سے فارسی میں فرمایا۔ پھر اردو، ہندی و فارسی آمیز ہیں اور پھر انگریزی میں لکھا۔ آپ کا ایک فرمان تمام تصور لسانیت کی وضاحت ہے۔ سید نذیر نیازی ''اقبال کے حضور'' میں رقم فرماتے ہیں۔

''میں زبان کو پوجا کا بت نہیں سمجھتا بلکہ ایک ذریعہ اظہار تصور کرتا ہوں''۔

آج لسانیت کی بنیاد پر مختلف آوازیں تقسیم کرنے اور تصور وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے۔

۷۔ قبائلیت (Traiblism)

آج مملکت خداداد کی وحدت میں ایک سد راہ قبائلیت ہے۔ حضرت اقبال نباض ملت ہیں۔ وہ ان کے عوارض بھی جانتے ہیں اور ان کا علاج بھی جانتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

قبائل کیوں ملت کی وحدت میں گم
ہو نام افغانیوں کا بلند

ایسا کیوں نہ کہیں، مطالعہ قرآن و حدیث ان کے معمولات لازمہ کا حصہ تھے۔ **وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا.** شعور وقبائل اس لئے بنائے کہ تمہاری پہچان ہوسکے۔ حضور والی مدینہ ﷺ کے فرامین ان کے حرز جاں تھے۔ اسی پیغام وحدت کو انہوں نے اپنے الفاظ و تراکیب میں ڈھالا۔ آپ ﷺ نے قبائلی عصبیت کا رد کیسے فرمایا:

لیس منا من دعا الی عصبیة
لیس منا من واثل عصبیة
لیس منا من مات علی عصبیة

وہ ہم میں نہیں جسے عصبیت کے لئے پکارا۔ وہ ہم میں نہیں جو عصبیت کے لئے لڑا۔ وہ ہم میں نہیں جو عصبیت پہ مرا۔

2۔ تصور ملت اسلامیہ

حضرت حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے منفی تصورات قومیت کا مکمل رد و ابطال کیا۔ وطنیت، قومیت، نسلیت، جغرافیت، لونیت، طبقاتیت، مسلکیت پر تعصب کے بت کا قلع قمع کیا۔۔۔ اس کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا۔۔۔ مسلمانوں میں عالمی تصور کو بیدار کیا۔ خود ساختہ نفرتوں کی حد بندیوں کو گرادیا۔ اشتراکاتِ عارضہ پر تصور اتحاد کی بنیاد نہیں رکھی۔ اشتراکِ وطن لامحالہ وطن پرستی ہے۔۔۔ اشتراکِ لسان زبان کی پوجا ہے۔۔۔ اشتراکِ ذات موجب فخر ہے۔۔۔ اشتراکِ برادری نفرتوں کی آکاس بیل ہے۔ فکر اقبال براہ راست منابع اصلی سرچشمہ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے بلکہ تعلیمات اسلام کی تعبیر وتشریح

ہے۔ آپ کے اشعار اور نثر پاروں کا مطالعہ کیجئے، تمام فکر قرآنی کا غماز ہے اور فکر مصطفوی کا آئینہ دار ہے۔

قوم مذہب ہے مذہب جو نہیں تو کچھ بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

آپ نے مختلف اسالیب میں اظہار فرمایا۔ قوم و مذہب کا تعلق جزو لازم کا ہوا۔ فرد و جماعت کا تعلق انفرادیت کو اجتماعیت میں ضم کرنے میں ہے۔

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

حرف اقبال صفحہ نمبر222، حضرت اقبال فرماتے ہیں:

''جو کچھ قرآن حکیم سے میری سمجھ میں آیا وہ یہ ہے کہ اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کی قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔''

حضرت حکیم الامت کے نزدیک مقصدِ تخلیقِ انسان، نظام اجتماعیت کے قیام اور اجتماعیت کا نظام صرف اور صرف دامن اسلام سے حاصل ہوتا ہے۔

در جماعت خود شکن گرد خودی
تاز گل برگے چمن گرد خودی

جماعتِ اسلام، اجتماعیتِ صالحہ، وحدت اسلامیہ میں اپنی خودی، انفرادیت کو ضم کردو کہ پھول کی پتیاں مل کے چمن بن جائیں۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

خطبہ الہ آباد 1930ء ص نمبر20، ہندوستان میں مسلم قومیت کے بقاء کے لئے فرماتے ہیں:

''اسلام کا ظہور بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے اور وطن پرستی، بت پرستی کی ایک صورت ہے۔ ہر چند کہ حب الوطن کو مزموم متصور نہیں کیا گیا۔ وہ جنم بھوم ہے۔ اس کی مٹی سے پیار اک فطری امر ہے لیکن جب وحدت امت کے راستے میں سد راہ ہو تو قطعاً قابل تسلیم نہیں ہے۔''

محمد رفیق افضل، گفتار اقبال کے صفحہ 178 پہ قول اقبال لکھتے ہیں کہ

''اسلام ایک عالم گیر سلطنت کا یقیناً منتظر ہے جو نسلی امتیازات سے بالاتر ہوگی۔ جس میں شخصی اور مطلق العنان بادشاہوں، سرمایہ داروں کی گنجائش نہ ہوگی۔ دنیا کا تجربہ خود ایسی سلطنت پیدا کردے گا۔ غیر مسلموں کی نگاہ میں شاید یہ محض ایک خواب ہو لیکن مسلمانوں کا یہ ایمان ہے۔''

آج ہم ڈیڑھ ارب کلمہ گو ہیں۔55 سے زائد آزاد مسلم ریاستیں ہیں۔ ایک تہائی دنیا کی آبادی ہم مسلمان ہیں۔ عظیم ذخائر ارضی، بحری، فضائی ہمارے پاس ہیں۔ موسموں کے حسین تموج ہمارے افق پہ ہیں۔ رحمتوں کی رم جھم ہمیں حاصل ہے لیکن کوئی نہ ہمیں جانے کہ ہم کون ہیں۔۔۔؟ اغیار کے آلہ کار۔۔۔ بے اتفاقیوں کا شجر زقوم۔۔۔ ہر گھر میں، نفرتوں کی کاشت۔۔۔ طلب علم کی ترغیب دنیا کے تمام نظامات، فلاسفہ میں مگر ہمارے پاس نہیں۔۔۔ امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا حصہ گمراہیوں کی نذر ہے۔۔۔ ایک دوسرے کو گرا دینا ہی ہمارا مشن زندگی ٹھہرا۔ دشمنیوں کے الاؤ کہاں نہیں جلتے۔۔۔ پگڑیاں کہاں نہیں اچھالی جاتیں۔۔۔ **لا یظلمہ ولا یسلمہ** کا سبق ہم نے فراموش کیا۔۔۔ وحدتوں کو پارہ پارہ کیا۔۔۔ جبکہ خواب اقبال کیا تھا؟

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

ثناء خوانِ رسول ﷺ محترم ضیاء اللہ نیرؔ کی رحلت

(صاحبزادہ مسکین فیض الرحمان درانی)

22 ستمبر 2011ء کا ڈوبتا سورج تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل کے قائدین، رفقاء اور وابستگان کو یہ جانکاہ خبر سنا کر شفق کے تاریک پردے کے پیچھے چھپ گیا کہ ڈاکٹر فرید الدینؒ ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے سینئر ریسرچ سکالر حضرت علامہ ضیا نیرؔ جہان حقیقی کے لیے رختِ سفر باندھ چکے ہیں۔ مرحوم ومغفور کا شمار تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل کے دیرینہ رفقاء اور ان صاحبان علم و فضل میں ہوتا ہے جنہوں نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی دعوتِ حق پر تحریک کے ابتدائی ایام سے لبیک کہا اور سانس کی آخری گھڑی تک بہت عزم، حوصلے، ہمت اور جوانمردی سے ہر طرح کے گرم و سرد حالات میں قائد تحریک کا ساتھ نبھایا۔

مرحوم ایک صاحب طرز ادیب، شاعر اور ریسرچ سکالر تھے۔ مدحت رسول ﷺ، شاعری میں ان کا خاص میدان تھا۔ انہوں نے اپنے کلام سے عشاق رسول ﷺ کے اذہان وقلوب کو ہمیشہ معطر اور منور رکھا۔ ''سفر نور'' اُن کا پہلا نعتیہ مجموعہ تھا۔ کچھ عرصہ پہلے حمد و نعت پر اُن کا دوسرا مجموعہ ''ثنائے کریمین'' کے نام سے منصۂ شہود پر آیا۔ تحریک کی مرکزی قیادت ''ثنائے کریمین'' کی تقریب رونمائی شاندار طور پر منانے کا سوچ رہی تھی کہ صاحب کلام حضرت ضیا نیر داغِ مفارقت دے گئے اور تحریک کے لاکھوں ساتھیوں کے دِلوں کو افسردہ کر گئے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور جملہ مرکزی قائدین نے مرحوم کی وفات کو علم و ادب کا عظیم نقصان قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت و بخشش فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت ضیاء نیرؔ مرحوم کے مجموعہ حمد و نعت ''ثنائے کریمین'' پر چند مختصر، ٹوٹے پھوٹے، بے ربط جملے ہدیہ قارئین ہیں۔

ثنائے کریمین۔۔۔ حمد و نعت کا ایک حسین گلدستہ

حمد باری تعالیٰ کے 15 کلام اور 109 نعتوں پر مشتمل ''ثنائے کریمین'' ایک ایسا وقیع مجموعہ حمد و نعت ہے جو محبت، اطاعت، توکل، تعلیم، توقیر اور نصرت دین کے پرخلوص جذبوں سے معمور اعلیٰ شعری ادب وہیئت کی تمام تر دلکشی لیے، شریعت و طریقت کے مناسب توازن و امتزاج کے ساتھ ایمان کے بنیادی مقاصد کا ابلاغ کرتا نظر آتا ہے۔

ایک حساس ادیب، شاعر یا مصنف باریکی بینی سے زندگی کے مختلف گوشوں کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتا ہے۔ شاعری میں بلند خیالات کے اظہار کے لیے متوازن زبان اور صوتی ترنم بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ خوشی، امید، حیرت، مایوسی، خوف اور غم تخلیقی اظہار کے لئے شاعرانہ صداقت کا تلازمہ ہے، ایک اچھے شاعر کی پہچان یہ ہے کہ اس کے جذبات واحساسات قاری کے جذبات کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔

''ثنائے کریمین'' کے خالق محترم ضیاء نیر مرحوم و مغفور خوبصورت خیالات، پاکیزہ جذبوں اور حسین سوچوں کے حامل ادیب تھے۔ ان کے شاعری میں خلوص اور صداقت کا رنگ واضح ہے۔ ان کا مخصوص انداز بیاں ان کے داخلی کیفیات کا آئینہ دار ہے۔ اسلوب میں فنکاری کے ساتھ حسن کاری بھی ہے اور انتظام کاری بھی۔ شاعری ان کی تکوینی صورت گری ہے۔ کلام ان کا ادب عالیہ ہے کہ حمد و نعت کا بیان ہی درحقیقت ادب عالیہ ہوتا ہے کہ جس میں خالق، تخلیق

اور مخلوق کا بیان مذکور ہوتا ہے، جو آفاق و انفس کی حقیقت مطلقہ ہے،انہی بلند افکار کا اظہاراسلامی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ مرحوم کا پہلا نعتیہ مجموعہ ’’ سفر نور‘‘ کے نام سے محسن انسانیت پیغمبر رحمت ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کر چکے ہیں۔ اس طرح ’’ ثنائے کریمین‘‘ ان کا دوسرا مجموعہ ہے جس میں’’ یارب تو کریمی و رسول تو کریمی‘‘ کے مصداق انہوں نے خالق عزوجل کی حمد و ثنا سے حصہ اول کا آغاز کیا اور محبوب کبریا ﷺ کی نعت کو حصہ دوم میں موضوع سخن بنایا۔

ریا، تصنع اور آورد سے بے نیاز وہ ہمیشہ غیب سے آمد کے منتظر رہے۔ غزل کو متصوف کرتے، منازل سلوک طے کرتے حقیقت نعت کے اعلیٰ منازل کے قریب پہنچ گئے۔

ثنائے کریمین میں محترم ضیا نیر مرحوم تذکیر، تدبیر اور تعمیل کا یہ کام کرتے نظر آتے ہیں کہ مسلمان حقیقت میں یکے از غلامان پیمبر ﷺ ہیں اور یہی ان کی پہچان ہے۔محترم ضیا نیر’’ ثنائے کریمین‘‘ کی ابتداء حمد باری تعالیٰ کے اس مطلع سے کرتے ہیں۔

؎ قرآن کے سیپاروں میں وہ بول رہا ہے
کیا خوب سماعت میں وہ رس گھول رہا ہے

جناب ضیا نیر مرحوم ثنائے کریمین میں ہر جگہ خدا کے اسی پیام سرمدی کا ابلاغ کرتے نظر آتے ہیں، گو وہ کوئی باقاعدہ مبلغ نہیں لیکن ایک انتہائی لطیف پیرائے میں وہ لوگوں کو ’’ **لا تقنطوا من رحمة الله**‘‘ کی نوید جانفزا سنایا کرتے تھے۔

؎ کرتا ہے کمی پوری وہی اپنے کرم سے
طاعت میں اگر کوئی کہیں جھول رہا ہے

محترم ضیاء نیر اللہ جل مجدہ سے اپنی محبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

؎ منبع ہے تو ہی، جو دو کرم، لطف و عطا کا
خالق ہے تو اے مالک ارض و سماء کا
نے قوت اظہار ہے نے طاقت گفتار
حق کیسے ہو نیّر سے ادا تیری ثناء کا

اطاعت الٰہی ہی حقیقت میں ایمان باللہ اور ایقان کا مظہر ہے۔محترم ضیاء نیر مرحوم یوں رقمطرز ہیں:

؎ جبیں سجدہ جھکتی ہے بس اک معبود کے آگے
وہی معبود جو حقدار ٹھہرا ہے عبادت کا
خدا کی اور پیمبر ﷺ کی اطاعت ہم پہ لازم ہے
یہی ہے حکم قرآن کا ، یہی فرمان سنت کا

محترم ضیاء نیر مرحوم ایمان کی پختگی کے لیے توکل علی اللہ کو بہت اہم سمجھتے تھے، وہ ایک متوکل انسان تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر بھر پور توکل سے تمام ابتلائیں، مصیبتیں ،مشکلات آسان اور بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ ان کی نظر ہر وقت اسباب کی بجائے مسبب الاسباب پر رہتی تھی۔کافی عرصہ بسترِ علالت سے اٹھنے پر انہوں نے کہا:

؎ خستہ جاں بیمار کو دے دی شفا اچھا کیا
تو نے پھر آسان اس پر زیست کا رستہ کیا
ٹال دی تو نے الٰہی، ابتلا کی ساعتیں
تو نے ہی ہر عقدہ مشکل کو مولا وا کیا

محترم ضیا نیر اپنے پورے کلام میں جابجا پوری جوانمردی اور مستقل مزاجی سے بہانگ دہل اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول برحق ﷺ پر اپنے ایمان اور ایقان کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں اور بلاشبہ یہی چیز ان کیلئے آخرت میں شفاعت مصطفیٰ ﷺ کا باعث بھی ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، مسکین، تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل کے مرکزی قائدین اور ڈاکٹر فرید الدینؒ ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے جملہ ریسرچ سکالرز اور تحریک کے جملہ رفقاء، اراکین اور وابستگان حضرت علامہ ضیاء نیر مرحوم و مغفور کے لیے دست بدعا ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بطفیل خواجہ انام سرکارِ ہر دوسرا آقائے دو جہان ﷺ ان کو اپنی جوار رحمت میں مقام اعلیٰ علیین عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

منہاج مصالحتی کونسل ناروے کے زیر اہتمام سیمینار

انتہا پسندی کو کیسے روکا جائے؟

رپورٹ:
حافظ صداقت علی قادری

منہاج مصالحتی کونسل کے زیر اہتمام مورخہ 03 ستمبر 2011 بروز ہفتہ اوسلو کے مشہور ومعروف اور جدید ترین ہال FOLKITS HUS میں ایک عظیم الشان سیمینار ''انتہا پسندی کو کیسے روکا جائے''؟ کے عنوان سے منعقد ہوا۔ ناروے کی تاریخ میں اس اہم موضوع پر منعقدہ اس منفرد پروگرام کو تاریخ میں سنہری حروف سے یاد رکھا جائے گا۔ یہ عظیم پروگرام پولیس اور جسٹس ڈیپارٹمنٹ کے تعاون سے انعقاد پذیر ہوا۔

پروگرام میں تلاوت کلام الٰہی کی سعادت حافظ عمران الٰہی نے حاصل کی۔ آیات کا ترجمہ اویس اعجاز احمد وڑائچ نے پیش کیا۔ شیما نعت کونسل کی اقراء مشتاق، آمنہ ظفر، عائشہ نور اور فاطمہ ظفر نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت کی سعادت حاصل کی۔ بعد ازاں چرچ کی ایک پادری خاتون Sunniva Gylver اور محترم علامہ نور احمد نور نے دہشت گردی میں جاں بحق ہونے والوں اور ان کے لواحقین کے ساتھ ہمدردی اور اظہار غم کے لئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ پروگرام کی نقابت کے فرائض شائستہ نثار اور اویس اعجاز وڑائچ نے انجام دیئے۔

اس سیمینار میں Brynjar Lia (سینئر ریسرچ سکالر ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ)، DR Tore Bjorgo (سینئر ریسرچ سکالر پولیس اکیڈمی) اور Erik Owre Thorshaug (ایڈوائزر آف جسٹس منسٹر) نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے منہاج القرآن ناروے اور منہاج مصالحتی کونسل کو اس اہم اور ذمہ دارانہ اقدام پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت تھی، اس طرح ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مل جل کر ایک بہتر اور پر امن سوسائٹی کے لئے کوشاں اور سرگرم رہیں۔ امید ہے کہ منہاج القرآن اسی طرح اپنی سماجی ذمہ داریاں پوری کرتا رہے گا۔ مقررین نے منہاج مصالحتی کونسل کو مستقبل میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

سیمینار کے مہمان خصوصی محترم صاحبزادہ حسن محی الدین قادری (صدر سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل) نے ''دہشت گردی اور انتہا پسندی کو روکنا کیسے ممکن ہے'' کے موضوع پر جامع اور علمی خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسانوں کا قتل کرنا کسی مذہب، کلچر میں جائز نہیں۔ ان دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں اور نہ ہی ان کا اسلام سے کوئی تعلق ہے، یہ انسان کے بھی دشمن ہیں اور انسانیت کے بھی دشمن ہیں۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے''، ہجرت مدینہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جس سوسائٹی کو حقوق عطا کئے وہ ملٹی کلچرل سوسائٹی تھی جو عیسائی، یہودی، مشرکین اور مسلمانوں پر مشتمل تھی، ان سب کو برابر کے حقوق عطا کئے گئے۔ اسلام انسانیت کا مذہب ہے جو انسانی عظمت و وقار کی بات کرتا ہے۔ بدقسمتی سے دارالسلام، دارالحرب، دارالکفر اور اسلامی خلافت کی اصطلاحات اور نعروں کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ منہاج القرآن دہشت گردی اور انتہا پسندی کے مسئلے کو مسلم اور غیر مسلم کا فرق اور امتیاز کئے بغیر پر امن طریقے سے حل کرنے میں مدد کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں منہاج القرآن نوجوانوں کے لئے ورکشاپ، سیمینار اور کانفرنسز کا انعقاد کرتی ہے، جس میں امن، محبت، رواداری، برداشت اور ہم آہنگی کا درس دیا جاتا ہے۔ ہمیں ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے۔

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف جو تاریخی فتویٰ دیا، اس میں واضح راہنمائی موجود ہے کہ یہ تمام دہشت گردی کی کارروائیاں کرنے والے، خودکش دھماکے کرنے والے کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ یہ انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

سیمینار کے اختتام پر ناروے کے چائلڈ اینڈ فیملی منسٹر Audun Lysbakken نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے منہاج مصالحتی کونسل کے اس قدم کو بے حد سراہا اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تاریخی فتویٰ کو ہاتھ میں لہراتے ہوئے کہا کہ یہ اس دور میں بہت بڑا علمی خزانہ ہے اور یہ بہت ساری غلط فہمیوں کو دور کرنے والی کتاب ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ بہت ساری غلطیاں جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ذہن میں تھیں آج ختم ہو گئی ہوں گی۔ جس احسن انداز میں محترم حسن محی الدین قادری نے انتہاپسندی کی وجوہات، اور اس کا ممکنہ حل بتایا ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور مذہب، کلچر کے امتیاز کو ختم کرتے ہوئے مل جل کر اس کے خلاف کام کرنا چاہیئے۔

اس عظیم الشان سیمینار میں ناروے میں امریکن ایمبیسڈر Barry White، ان کی اہلیہ Eleaner White اور ان کے پولیٹیکل سیکرٹری Mr David Fuller نے خصوصی طور پر شرکت کی اور سیمینار کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ میں نے آج تک اس موضوع پر اتنا خوبصورت اسلامی مئوقف کبھی نہیں سنا۔

سیمینار کے آخر میں اعجاز احمد وڑائچ (صدر منہاج مصالحتی کونسل) نے اختتامی کلمات میں تمام مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور اس بات کا یقین دلایا کہ منہاج القرآن ہمیشہ کی طرح انسانیت کی بہتری کے لئے خدمت سرانجام دیتا رہے گا۔ سیمینار میں نائب ناظم اعلیٰ محترم جی ایم ملک نے خصوصی شرکت کی اور کامیاب پروگرام پر مبارکباد پیش کی۔

امن برائے انسانیت کانفرنس اور لنڈن ڈیکلریشن کی تائید میں دستخط مہم

(ڈاکٹر رحیق احمد عباسی ۔ناظم اعلیٰ)

24 ستمبر 2011ء کو لندن ویمبلے ہال میں ہونے والی ''امن برائے انسانیت کانفرنس'' کی کامیابی سے تحریک منہاج القرآن اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے Vision کو عالمی سطح پر پذیرائی ملی۔ یہ تحریک کی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ آپ کو اس کامیاب کونفرنس کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اس کانفرنس میں ''لندن ڈیکلیریشن'' کے نام سے ایک اعلامیہ بھی منظور کیا گیا ہے۔ قائدِ محترم نے اس موقع پر اعلان فرمایا تھا کہ اس اعلامیہ پر 10 لاکھ لوگوں کے دستخط حاصل کیے جائیں گے۔ پوری دنیا میں اس اعلامیہ پر دستخط حاصل کرنے کی مہم کا آغاز کر دیا گیا ہے۔

قائدِ محترم کے فرمان کے بعد ہم میں سے ہر کارکن کا یہ فرض بنتا ہے کہ اپنے قائد کے فرمان پر لبیک کہتے ہوئے اس اعلامیہ پر لوگوں کے دستخط لینے کے لیے اپنا کردار ادا کرے تاکہ یہ ہدف حاصل کیا جا سکے۔

طریقہ کار

۱- آپ درج ذیل ویب سائیٹ پر جا کر براہ راست Online دستخط کر/ کروا سکتے ہیں۔

www.londondeclaration.com اور www.minhaj.org

۲- وہ احباب جو انٹرنیٹ کے ذریعے دستخط نہیں کر سکتے وہ ساتھ لف پروفارمہ پر خود بھی دستخط کریں اور اس اعلامیہ سے متفق احباب سے بھی دستخط کروائیں اور پروفارمہ جات مکمل کر کے مرکز ارسال کر دیں۔

ہدف

☆ عمومی طور پر ہر کارکن اور رفیق کو کم از کم 25 افراد کے دستخط کروانے کا ہدف دیا گیا ہے۔

☆ تحصیل کا ہدف تحصیل میں موجود رفقاء کی تعداد کو 25 سے ضرب کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

☆ تنظیمات اپنی ایگزیکٹو کا اجلاس بلائیں اور فوری طور پر اپنے ہدف کے حصول اور قائد محترم کے احکامات پر عملدر آمد کی حکت عملی بنائیں اور ساتھ ساتھ ہمیں رپورٹ بھی ارسال کرتے رہیں۔

آخری تاریخ: اس ہدف کو حاصل کرنے کی آخری تاریخ 30 نومبر 2011 مقرر کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

توثیق نامہ اعلامیہ لندن مورخہ 24 ستمبر 2011ء

مجھے عالمی امن کے قیام، دہشت گردی وانتہا پسندی کے خاتمے اور محبت ورواداری کے فروغ کیلئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے اعلامیہ لندن سے مکمل اتفاق ہے

نوٹ: اعلامیہ کی تفصیلات گذشتہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں یا www.minhaj.org وزٹ کریں

Sign/دستخط	Cell No/فون نمبر	E-mail/ای میل	City/شہر	Name/نام	نمبر شمار
					1
					2
					3
					4
					5
					6
					7
					8
					9
					10
					11
					12
					13
					14
					15
					16
					17

(PTO)

Sign/دستخط	Cell No/فون نمبر	E-mail/ای میل	City/شہر	نام	نمبر شمار
					18
					19
					20
					21
					22
					23
					24
					25
					26
					27
					28
					29
					30
					31
					32
					33
					34
					35
					36
					37
					38
					39
					40